اپریل ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

منہاج محمدیؐ

بمقابلہ منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ مراحل انقلاب کے نقطۂ نگاہ سے سیرتِ مطہرہ کا ایک منفرد مطالعہ

☆ اسلامی انقلاب کیلئے سرگرم عمل افراد کیلئے مشعل راہ

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ** کے گیارہ خطبات پر مشتمل ایک فکر انگیز کتاب

منہج انقلابِ نبویؐ

کا نیا ایڈیشن، جو حسن ظاہری ہی نہیں حسن معنوی کے اعتبار سے بھی سابقہ ایڈیشن پر فوقیت رکھتا ہے، چھپ کر آ گیا ہے۔

خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ، عمدہ طباعت، چار رنگوں میں شائع شدہ دیدہ زیب سرورق،

صفحات : 375

قیمت (غیر مجلد) : 140 روپے

(مجلد) : 160 روپے

شائع کردہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03-5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۴
ذوالحجہ	۱۴۱۹ھ
اپریل	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر، عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا، یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق، الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور54700۔فون : 03۔02۔5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ________ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ________ ۹

منہاجِ محمدیؐ بمقابلہ منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہج انقلاب نبویؐ (۱۳) ________ ۳۳

منہج انقلابِ نبویؐ کے حالاتِ حاضرہ پر انطباق کے ضمن میں

اِقدام اور مسلح تصادم کا متبادل — قرآن و حدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ ایمان و استقامت ________ ۶۹

آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

انتخاب : حافظ محمد سلیمان

☆ رفتار کار ________ ۷۳

منہاجِ محمدی کانفرنسیں (ایک اجمالی رپورٹ)

مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے علماء کمیٹی کا قیام

یہ بات اکثر رفقاء و احباب کے علم میں ہو گی کہ حال ہی میں فرقہ واریت میں شدت پسندی کے رجحان کے خاتمے کے لئے حکومت نے مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل جو کمیٹی بنائی ہے اس کی سربراہی کی ذمہ داری امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ پر ڈالی گئی ہے۔ اس خبر پر ہمارے رفقاء و احباب کے ملے جلے تاثرات سامنے آئے ہیں۔ بعض احباب نے اس پر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا اور بعض نے پریشانی اور تشویش کا۔ بہرکیف یہ ایک غیر متوقع خبر ضرور ہے اور اس کے حوالے سے جو لوگ کچھ ذہنی تحفظات رکھتے اور تشویش میں مبتلا ہیں ان کا یہ طرز عمل بالکل فطری ہے۔ اس لئے کہ موجودہ حکومت کے بارے میں امیر محترم کے شدید ترین ریمارکس آجانے کے بعد اور پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی جانب پیش رفت کے حوالے سے میاں شریف فیملی کے طرز عمل سے مایوسی ہی نہیں بیزاری کے واضح اعلان کے بعد یکایک حکومت کی قائم کردہ کمیٹی کی سربراہی قبول کرنا بادی النظر میں یقیناً ناقابل فہم ہی کہلائے گا ـــــ امیر تنظیم کے اس فیصلے کی کوئی شخص تائید کرے یا مخالفت' بہرکیف اپنی جگہ یہ ایک وضاحت طلب معاملہ ضرور ہے۔ ۲/ اپریل کے خطاب جمعہ میں امیر محترم نے اس معاملے کا پس منظر بیان کیا اور تفصیلاً پوری صورتحال سامعین کے سامنے رکھی جس کا خلاصہ جو "ندائے خلافت" میں شائع ہو چکا ہے' قارئین میثاق کی دلچسپی کے پیش نظر ذیل میں پیش خدمت ہے :

> "فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے علماء کمیٹی کے قیام اور اس کی سربراہی قبول کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ ۷/ مارچ کو فیصل آباد میں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی تشکیل کے ضمن میں منہاجِ محمدیؐ کانفرنس تھی' اس روز مولانا ضیاء القاسمی صاحب خاص طور پر مجھ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے سپاہ صحابہ کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی جماعت کے کارکنوں پر حکومت کی طرف سے ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں سپاہ صحابہؓ کے

کارکنوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھاؤں۔ میں مولانا کی اس بات سے حیران بھی ہوا کہ مجھے اور میری جماعت تنظیم اسلامی کو ملک میں ایسی کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہیں ہے 'کہ ہم اس حوالے سے کوئی اہم کردار ادا کر سکیں۔ تاہم مولانا ضیاء القاسمی نے جس دلسوزی سے گفتگو کی' اس بناء پر میں نے اس معاملے پر غور و خوض کا وعدہ کر لیا۔ بعد ازاں کراچی اور لاہور میں اسی سلسلے کی منعقد ہونے والی کانفرنسوں کے ضمن میں خاصی مصروفیت رہی' تاہم ۲۳/ مارچ کو تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں اس مسئلہ پر غور کیا گیا۔ جس میں یہ تجویز سامنے آئی کہ میاں محمد شریف صاحب کو اس حوالے سے ایک خط تحریر کر دیا جائے' تاکہ مولانا ضیاء القاسمی اور میاں محمد شریف صاحب کی براہ راست ملاقات کی راہ ہموار ہو جائے۔

چنانچہ میں نے میاں شریف صاحب کے نام ایک مختصر خط ارسال کر دیا جس میں لکھا تھا کہ حکومت کے بعض اقدامات اور پالیسیوں کے بارے میں میری تنقیدیں اور تلخ تبصرے اپنی جگہ لیکن آپ از راہِ کرم وزیر اعظم نواز شریف سے کہیں کہ وہ ایک بار مولانا ضیاء القاسمی سے ملاقات کر کے ان کا موقف ضرور سن لیں۔ اگلے روز خلاف توقع میاں محمد شریف صاحب اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف قرآن اکیڈمی تشریف لے آئے۔ میاں محمد شریف صاحب نے مجھ سے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا کہ مولانا ضیاء القاسمی سے ان کی ملاقات میری وساطت سے ہونی چاہئے۔ "جو بولے وہی کنڈا کھولے" کے مصداق گویا میں اس معاملے میں "پھنس" گیا۔ چنانچہ عید کے دوسرے روز رائے ونڈ میں سپاہ صحابہؓ کے وفد کے ساتھ میاں شریف صاحب سے ملاقات کا پروگرام طے پا گیا۔ اس ملاقات میں میاں محمد شریف کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے دوران دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ ملکی سطح پر ایسا قانون بنا دیا جائے کہ جو شخص بھی خلفاء راشدین' صحابہ کرام' ازواجِ مطہرات اور اہل بیت اطہار ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرے اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی پر تکفیر کا فتویٰ لگانے کے لئے لازم ہو کہ وہ عدالت میں اپنا

موقف ثابت کرے، بصورت دیگر مدعی کو سخت ترین سزا دی جائے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ قائداعظم کی توہین پر دس سال قید کی سزا کا قانون موجود ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا معاملہ تو اس سے کئی گنا اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا اس کے لئے سخت تر سزا ہونی چاہئے۔ مولانا قاسمی صاحب نے سزا کی مدت ۱۴ سال تجویز کی، جس پر صاحبان اقتدار نے آمادگی کا اظہار کیا۔ البتہ ان تجاویز کی روشنی میں طے پایا کہ تمام مکاتب فقہ پر مشتمل نمائندہ علماء کی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ وہیں یہ بات بھی رکھی گئی کہ اس کمیٹی کی سربراہی بھی میں ہی قبول کروں اور میری معذرت کے باوجود مجھ پر یہ کڑی اور بھاری ذمہ داری عائد کردی گئی۔

جمعرات یکم اپریل کو وزیراعظم ہاؤس میں اس کمیٹی کا پہلا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ اگر یہ کمیٹی متفقہ طور پر کسی نتیجے پر پہنچ جاتی ہے تو ان سفارشات کی روشنی میں حکومت مطلوبہ قانون سازی کردے گی اور یوں فرقہ واریت کے حوالے سے ہونے والے جلسے، جلوس، اشتہارات وغیرہ سب کا از خود توڑ ہو جائے گا۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ تشدد کے ذریعے اس مسئلے کا حل کیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے تشدد کے ذریعے روکا جاسکے۔ اس لئے کہ یہ معاملہ ع "بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد" کی طرح کا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی ناموس کی حفاظت تو دین وایمان کا معاملہ ہے۔ اس قسم کے معاملات میں غازی علم الدین شہید جیسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو پھانسی کی سزا کو بھی اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل تشدد نہیں۔ صحابہ، امہات المومنین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تقدیس کے احترام کا قانون بنانے ہی سے یہ مسئلہ حل ہوگا۔ آپ سب لوگ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا کریں کہ اس اہم ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے میں اللہ میری مدد فرمائے اور اس کمیٹی کے ذریعے سے ملک وملت کے لئے خیر و بھلائی کا راستہ کھول دے۔ آمین!

مجھے امید ہے کہ جس طرح سودی نظام کے خاتمے کی پاکستان سے ابتداء ہو گی، اسی طرح شیعہ سنی جھگڑے میں مفاہمت کی کوئی شکل پیدا کرنے کی سعادت

بھی پاکستان ہی کے حصے میں آئے گی۔ گو اختلافات کا مکمل طور پر ختم ہو جانا تو ممکن ہی نہیں لیکن "شیعہ سنی مفاہمت" وقت کی اہم ضرورت ہے اور جب تک اس طرف کوئی ٹھوس پیش رفت نہیں ہو گی نہ پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے گی اور نہ ہی امت مسلمہ یہودی نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکتی ہے"۔

۹/اپریل کے خطابِ جمعہ میں امیر محترم نے اس معاملے پر مزید گفتگو کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا ان کا خلاصہ پریس ریلیز کے حوالے سے پیش خدمت ہے :

"فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلاف کی شدت میں کمی اور انہیں ایک دوسرے سے قریب لا کر باہمی اتحاد کا قیام میری گزشتہ ربع صدی کی دینی جدوجہد کا ایک اہم ہدف رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ اتحاد امت کے عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید سے گہری وابستگی ضروری ہے۔ امت کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر قرآن حکیم سے جتنا قریب ہوں گے اتنا ہی ان میں باہم قرب اور اتحاد پیدا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں غلبہ و نفاذ اسلام کے عظیم تر مقصد کی تکمیل کے لئے اہل تشیع اور اہل سنت میں مفاہمت ناگزیر قومی ضرورت تو ہے ہی' امت مسلمہ کو عالمی سطح پر درپیش صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے ضمن میں بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان' ایران اور افغانستان پر مشتمل مشترکہ اسلامی بلاک ہی نیو ورلڈ آرڈر کے پس پردہ کارفرما صیہونی عزائم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شیعہ سنی منافرت پھیلانے میں اصل ہاتھ "را" اور "موساد" کا ہے۔ تاہم ان ایجنسیوں کے آلہ کار دہشت گرد شیعہ سنی اختلاف کی آڑ میں ہی اپنی کارروائیاں کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر ملک میں جاری موجودہ شیعہ سنی محاذ آرائی کی شدت میں کمی آجاتی ہے تو اس سے مذہبی دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو مستقلاً ختم کرنے کے لئے مناسب قانون سازی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے جس کے تحت امت کی مقدس

ترین ہستیوں کے احترام کو پامال کرنے والوں اور بلا ثبوت کفر کے فتوے لگانے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جاسکیں تاکہ مذہبی منافرت اور اشتعال انگیزی کا خاتمہ کیا جاسکے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ اس وقت بھی مقدس شخصیات کی توہین پر سزا ملکی قانون میں موجود ہے مگر موجودہ قانون کے تحت سزا بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ لیکن زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس قانون کے تحت آج تک کسی کو سزا نہیں دی گئی جس سے انتظامیہ کی نااہلی اور غفلت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ علماء کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت خصوصی ٹاسک فورس قائم کرے جو دو طرفہ طور پر شائع ہونے والے اختلافی اور اشتعال انگیز مواد کا مسلسل جائزہ لیتی رہے تاکہ فرقہ واریت کو ہوا دینے والے شرپسند عناصر کو قانون کے شکنجے میں جکڑا جا سکے۔ انہوں نے اسلامی ریاست میں "مسئلہ تکفیر" کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات سے منحرف ہو جائے تو امت کے مجموعی مفاد کے پیش نظر اسے امت مسلمہ سے خارج کرنا ضروری ہے۔ تطہیر کے اسی عمل کو "تکفیر" کہا جاتا ہے۔ تاہم انگریز کی بالادستی کے دستور میں بعض علماء کے غیر محتاط رویئے کے باعث تکفیر ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریاستی سطح پر کسی شخص یا جماعت کے کفر کا فیصلہ کرنے کے لئے عدلیہ کا فورم ہی مجاز حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا انکار کرنے والوں کی قانونی حیثیت کا تعین ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کو کافر کہنے والا شخص اگر اپنے الزام کو عدالت میں ثابت نہ کرسکے تو مذکورہ شخص کو ایسی سخت سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ تنظیم اسلامی کو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کے قیام کے ضمن میں ابتدائی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور تحریک اسلامی نے تنظیم اسلامی کے ساتھ باقاعدہ اشتراکِ عمل کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ عنقریب مرکزی جمعیت اہلحدیث بھی اس اتحاد میں شمولیت کا باضابطہ اعلان کر دے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وہ تحریک جعفریہ کے سربراہ علامہ سید ساجد علی نقوی کو بھی اتحاد میں شمولیت کی

باضابطہ دعوت دینے کے لئے ان سے جلد ہی ملاقات کریں گے"۔

"اللہ سے دعا ہے کہ وہ محترم ڈاکٹر صاحب کو ہمت و جرأت' استقامت اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے اور یہ کمیٹی اُمت کے حق میں ایک عظیم کارِ خیر کا ذریعہ بن جائے تاکہ اس فرقہ وارانہ شدت پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو سکے جو دُنیا میں اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہی ہے اور جس نے اہل پاکستان کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔

قراردادِ مقاصد کی پچاسویں سالگرہ

۱۲/ مارچ کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کے دستور میں قرارداد مقاصد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو ریاستی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آج جبکہ پوری دنیا میں سیکولرزم کا سکہ رواں ہے' یہاں قرارداد مقاصد کا پاس ہو جانا ایک معجزے سے کم نہیں۔ قرارداد مقاصد آج سے ٹھیک پچاس برس قبل ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاس ہوئی تھی جس میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ قائداعظم کے اس عزم کا اعادہ بھی کیا گیا تھا کہ پاکستان کا قیام پوری دنیا کے لئے مثالی اسلامی ریاست کا عملی نمونہ قائم کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے۔ مگر افسوس کہ پچاس برس گزرنے کے باوجود بھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستانی قوم اسلام سے محبت کرنے والی قوم ہے مگر اسلام کی علمبردار دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی اور عالمی سیکولر طاقتوں کی سازشوں کے باعث نفاذ اسلام کی جانب ٹھوس پیش رفت نہیں ہو سکی۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں قرارداد مقاصد سے متصادم دفعات کی شمولیت کی وجہ سے ملک کا آئین منافقت کا پلندہ بن چکا ہے۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانا اگرچہ ضیاء الحق کا اہم کارنامہ تھا مگر اس وضاحت کے نہ ہونے کی وجہ سے کہ قرآن و سنت کو ملک کے سپریم لاء کی حیثیت حاصل ہو گی مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے ایک افسوسناک فیصلہ نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ قرآن و سنت ملک کا سپریم لاء نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ دستور میں موجود اس خلا کو دور کرنے کے لئے میاں نواز شریف نے اپنے سابقہ دور حکومت میں قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دینے کے لئے آئینی ترمیم کا وعدہ کیا۔ آٹھ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بالآخر اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے پندرھویں ترمیم کا پیکج لایا گیا' لیکن اس پیکج میں شامل بعض غیر ضروری دفعات کی وجہ سے یہ پوری قوم کی متفقہ آواز بننے کی بجائے اختلافی حیثیت اختیار کر گیا۔ انہوں نے وزیر اعظم میاں نواز شریف سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ شریعت بل میں ترمیم کر کے متنازعہ ذیلی دفعہ ۲ نکال دیں تو پھر کوئی شخص بھی شریعت بل کی مخالفت نہیں کرے گا۔

منہاجِ مُحمّدیؐ

بمقابلہ منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ

سالانہ اجتماع، کراچی (نومبر ۱۹۹۸) کے موقع پر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبہ مسنونہ، تعوذ و تسمیہ، سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ کے الفاظ ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

آج کی اس گفتگو کے لئے میں نے ایک آیت کے چھوٹے سے ٹکڑے کو عنوان بنایا ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ تمہیداً نوٹ کر لیجئے کہ یہ سورۃ المائدہ کا ساتواں رکوع ہے جس میں یہ ٹکڑا وارد ہوا ہے۔

سورۃ المائدہ تکمیل شریعت کی سورۃ ہے۔ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا بنیادی خاکہ (BluePrint) سورۃ البقرہ میں ملتا ہے جو مدنی سورت ہے۔ اس سلسلے میں احکام کا نزول وہاں سے شروع ہوا۔ مکی قرآن میں اخلاقی تعلیمات ہیں، ایمانیات کی بحثیں ہیں، کفر اور شرک کا نفی و رد ہے اور انبیاء و رُسل کے حالات و واقعات ہیں۔ کیونکہ مکہ میں ابھی فقہی اور شرعی احکام نازل ہونے شروع نہیں ہوئے تھے۔ یہ سلسلہ مدینے میں آ کر شروع ہوا۔ چنانچہ سورہ البقرہ سے ذرا آگے چل کر کچھ خاکہ سورۃ النساء میں بیان ہوا ہے جب کہ اس کی تکمیل سورۃ المائدہ میں ہوئی ہے۔ اور اسی سورۃ میں وہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں جن کے بارے میں یہود کے علماء نے کہا تھا کہ اے مسلمانو! یہ آیت جو تمہیں عطا ہوئی ہے اگر ہمیں عطا ہوئی ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کا اپنا سالانہ جشن مناتے ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیتِ دین ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پسند کر لیا۔

سورۃ المائدہ رکوع ۷ کے مضامین کا خلاصہ

اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے مقامات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں' لیکن ساتواں رکوع جس میں حسن اتفاق سے سات ہی آیات ہیں اپنی جگہ نہایت اہم اور خود مکتفی ہے۔ کیونکہ ایک مضمون سے متعلق پوری بحث ان سات آیات میں آگئی ہے۔ یہ سات آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید ترین تنبیہ وارد ہوئی ہے کہ جن کو ہم اپنی کتاب عطا فرمائیں' شریعت عطا فرمائیں اور وہ ہماری کتاب اور شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں' وہی تو کافر ہیں' وہی تو مشرک اور ظالم ہیں' وہی تو فاسق اور باغی ہیں۔ یہ الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں ﴿ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ.... أُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ..... أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ﴾ یہ ایک شدید تنبیہ ہے' اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فتویٰ اور فیصلہ ہے۔

دراصل اس رکوع میں ایک اہم علمی مضمون بیان ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اِس وقت تین اُمّتیں ایسی ہیں جن کو ہم صاحبِ کتاب کہیں گے۔ ان میں ایک یہود ہیں جن کے پاس توراۃ ہے' دوسرے نصاریٰ یا عیسائی جن کے پاس انجیل ہے۔ اگرچہ وہ تورات کو بھی مانتے ہیں لیکن ان کی اصل کتاب انجیل ہے اور تیسری اُمّتِ محمد ﷺ جن کے پاس قرآن مجید ہے۔ ان تینوں کتب سماوی میں شرعی احکام آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات آئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اول الذکر دونوں کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور قرآن نے ان کو منسوخ کر دیا ہے۔ تاہم اس رکوع میں ان تینوں امتوں سے متعلق جو اہم ترین بات آئی ہے وہی ہے جسے میں نے آج کی گفتگو کا عنوان بنایا ہے کہ ان تینوں کے لئے ہم نے علیحدہ علیحدہ ایک شریعت اور علیحدہ علیحدہ منہاج (طریقہ کار) متعین کر دیا ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾

اس سے پہلے کہ موضوع پر بات آگے بڑھائی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ساتویں رکوع کا سرسری سا جائزہ لے لیں۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں ارشاد ربانی ہے ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ : "ہم نے ہی نازل کی تھی تورات جس میں ہدایت بھی تھی' راہنمائی بھی تھی' نور بھی تھا" ﴿ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ "اسی کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے وہ نبی جو خود اللہ کے فرمانبردار تھے"۔ یہ بات قابلِ توجہ

ہے کہ نبی جس بات کی دعوت لے کر آتے تھے اس کے سب سے پہلے ماننے والے وہ خود ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی یہی نعرہ بلند کرتا تھا کہ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی سب سے پہلے فرمانبردار میں خود ہوں ﴿ لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبَّانِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ﴾ یہ انبیاء اسی تورات کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور ان کے معاملات کو طے کرواتے تھے۔ اور نہ صرف انبیاء بلکہ ان کے اہل اللہ یعنی مشائخ اور علماء بھی اسی تورات کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے تھے۔ یہاں خاص طور پر یہ دو الفاظ "ربّانی" اور "احبار" نوٹ کر لیجئے۔ انبیاء تو وہ تھے جن پر وحی نازل ہوتی تھی۔ لیکن اُمّت کے اندر دینی قیادت عام طور پر دو طبقوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ جن کا زیادہ تر شغل پڑھنا لکھنا' کتاب کا علم' تفسیر کا علم حاصل کرنا' اس کے بارے میں غور و فکر کرنا ہوتا ہے' جنہیں قرآن نے احبار کہا ہے یعنی علمائے کرام۔ اور دوسرا طبقہ ہے جو تزکیۂ نفس اور روحانی ترقی کے لئے راہنمائی کرتا ہے۔ یہ دونوں طبقات اُمّتِ مسلمہ میں بھی موجود ہیں۔ تاہم یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ انبیاء کے علاوہ مشائخ و علماء بھی اسی کتاب سے یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے۔ ﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ﴾ کیونکہ ان پر اللہ کی کتاب کی حفاظت واجب کی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ بنا دیئے گئے تھے۔ یہ گواہی عملاً اور قولاً دونوں طرح سے ہوتی ہے۔ البتہ عملاً گواہی اجتماعی سطح پر بھی ہوگی اور انفرادی سطح پر بھی۔ آپ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہ نہیں کہ ﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصّف:۲) کے مصداق دعوت تو بڑی اونچی ہے لیکن اپنا کردار بڑا پست ہے۔ اس طرح آپ اس دعوت کو بھی بدنام کریں گے۔

اس ذمہ داری کی اجتماعی سطح پر گواہی کی صورت یہ ہوگی کہ کتاب اللہ میں موجود اجتماعی احکام کو اجتماعی نظام کی شکل میں نافذ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیجئے' ورنہ کتابوں میں لکھا ہوا ہو کہ ہمارا نظام بہت اچھا ہے اور عملی طور پر اس نظام کو چلا کر نہ دکھایا جائے تو کون سنے گا' کون مانے گا؟ چنانچہ یہ ذمہ داری تھی جو ان علماء و احبار اور صوفیاء و رہبان کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگی ہوئی تھی۔ اسی کی طرف سورۃ الجمعہ کی آیت ۵ میں اشارہ ہے ﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ یعنی جب تک وہ احبار' رہبان اور ربّانیون یہ کام کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی

رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔ لیکن جب انہوں نے اس مشن اور ذمہ داری کو ادا کرنا چھوڑ دیا تو فرمایا کہ اب ان حاملینِ تورات کی مثال اُن گدھوں کی سی ہے جن پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو' کیونکہ انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا۔

تاہم یہاں سورۃ المائدہ میں ذمہ داریوں سے پہلوتہی پر زجر اور ڈانٹ دوسرے انداز میں آئی۔ چنانچہ آگے فرمایا ﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ اے علمائے یہود! تم لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو حقیر سے مفادات کے عوض فروخت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دنیوی قیادت اور چوہدراہٹ کی خاطر اللہ کی آیات سے منہ موڑ رہے تھے کہ کہیں ان کی سیادت پر آنچ نہ آجائے' کہیں ان کی مسندیں ان سے نہ چھن جائیں' کہیں ان کی حیثیت مجروح نہ ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسا کیا تو پھر تمہارا شمار انکار کرنے والوں میں ہو گا۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ "اور جو نہیں فیصلے کرتے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو کافر ہیں"۔ اقبال کا بڑا خوبصورت شعر ہے۔

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اگر تمہارا اعتقاد غیر اللہ پر ہو گیا تو سب سے بڑا کفر یہی ہے۔ اسی لئے اس رکوع کے فوراً بعد جو رکوع آتا ہے اس میں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ﴾ "اے اہل ایمان یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ' انہیں اپنا مددگار اور پشت پناہ نہ سمجھو"۔ تم ان پر اعتماد کرو گے تو گویا کہ اللہ پر تمہارا اعتماد نہیں اور تم اللہ کے باغی ہو۔

اس کے بعد اگلی آیت کا ابتدائی حصہ بھی اسی اُمّتِ موسیٰ سے متعلق ہے' جس میں قصاص کا حکم ہے' اور وہ بھی ایک لفظ کی تبدیلی سے انہی الفاظ پر ختم ہوتی ہے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ اور جو نہیں کرتے فیصلے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا وہی ظالم ہیں"۔ ظالم کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ہم سب سمجھتے ہیں اور جو اردو میں بھی مستعمل ہے جبکہ قرآنی اصطلاح کے اعتبار سے سب سے بڑا ظلم شرک ہے ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (لقمان: ۱۳) اس لئے کہ ظلم کہتے ہیں وَضْعُ شَیْءٍ فِیْ غَیْرِ

مَحَلِّہٖ کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا۔ اصل مقام تو یہ ہے اللہ کا حکم مانا جائے' تم کسی اور کا حکم مان رہے ہو۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا' اور یہی تو شرک ہے۔ اس لئے لفظ "ظالمون" کے دونوں ترجمے ہوں گے کہ وہی لوگ ظالم اور مشرک ہیں۔

اس کے بعد اگلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے ﴿ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ بنی اسرائیل کے انبیاء اور ان کے احبار و رہبان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اٹھایا ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ جو تصدیق کرتے ہوئے آئے اس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی۔ ﴿ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾ اور وہ بھی تصدیق کرتی تھی اس کی جو کچھ کہ اس کے سامنے موجود تھا توراۃ میں سے اور وہ بھی متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ اب انجیل کے ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ فیصلے کریں اس کے مطابق جو انجیل میں اللہ نے نازل کیا ہے۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ ﴾ "اور جو نہیں فیصلے کرتے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو فاسق ہیں"۔ فسق کے بہت سے درجات ہیں۔ عام طور پر ہم فاسق اس مسلمان کو کہہ دیتے ہیں جو غیر محتاط ہو' لیکن ایک فسق ہے سرکشی کا فسق۔ شیطان کے بارے میں سورۂ کہف میں فرمایا گیا ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾ "وہ جنّات میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی"۔ ان آیات میں تین اعتبارات سے شدید ترین تنبیہات آ گئی ہیں کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر' ظالم اور فاسق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ "اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے" جو آخری کتاب (The Final Book) ہے اور بنی نوع انسان کے لئے مکمل رہنمائی (The Complete Guidance) ہے ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لِلعالمیں

﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ "تصدیق کرتی ہے کتاب میں سے جو کچھ اس کے سامنے پہلے سے موجود ہے"۔ یعنی یہ قرآن اپنے سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتب تورات اور انجیل کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے۔ لیکن اب اس کی حیثیت سابقہ کتب کے ناسخ کی ہے ﴿ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ "اور یہ حاکم ہے اس کے اوپر"۔ تصدیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں جو تحریفیں ہو گئی ہیں' اب قرآن ان کی وضاحت اور ان کی نشاندہی کرتا ہے' کیونکہ اللہ نے ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ "تو اے محمدؐ آپ فیصلہ کیجئے ان کے مابین اس کے مطابق جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمایا ہے' اور الحق جو آپ کے پاس آچکا ہے آپؐ اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کیجئے"۔ جیسے کہ سورۃ البقرہ میں آپؐ کو بتا دیا گیا تھا کہ اے نبی آپ امیدوار نہ رہئے کہ یہ تو اہل کتاب ہیں' نبوت و رسالت سے واقف ہیں' توحید کے مدعی ہیں' آخرت کو مانتے ہیں' یہ فوراً مان لیں گے اور آپؐ کی تصدیق کر دیں گے۔ فرمایا ﴿ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ "یہ یہودی اور نصرانی کبھی آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہونگے جب تک کہ آپ ان کے طریقے کی پیروی نہ کریں"۔ کیونکہ مذہبی سیادت و قیادت ان کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں' ان کو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ جب کہ آپؐ پر ایمان لا کر ان کی یہ ساری حیثیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

سورۃ المائدہ کے اس رکوع میں اب وہ الفاظ آگئے جنہیں میں نے اپنی آج کی گفتگو کا عنوان بنایا ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ "تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک الگ شریعت اور ایک الگ منہاج معین کیا"۔ مطلب یہ کہ تمام انبیاء کا دین ایک تھا' لیکن شریعتیں اور منہاج مختلف تھے۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا) لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف امتوں کی شکل اس لئے دی ہے تاکہ وہ ہر ایک کو آزمائے۔ آیا تورات پر ایمان رکھنے والے حضرت مسیحؑ کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ جن کا وہ انتظار کر رہے تھے' لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کا انکار

کیا' انہیں کافر اور مرتد قرار دیا' جادوگر کہہ کر واجب القتل ہونے کے فتوے لگائے اور یوں وہ اپنے امتحان میں فیل ہو گئے۔ اسی طرح تورات اور انجیل کو ماننے والے حضرت محمد ﷺ کو مانتے اور پہچانتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ ان کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں ان کے پاس موجود تھیں۔ مثلاً فاران قلیط والی پیشین گوئی ہے یا تورات کی کتاب استثناء کے باب ۵۸ کی اٹھارہویں آیت میں ہے کہ "اے موسیٰ" میں تیرے مانند ان کے بھائیوں میں سے ایک رسول اُٹھاؤں گا"۔ کچھ دن پہلے امریکہ میں ایک بہت بڑے یہودی سکالر (پروفیسر مائیکل وشوگراڈ) سے گفتگو ہوئی۔ میں نے انہیں تورات کی اس آیت کا حوالہ دیا تو وہ چونک گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اس پر غور کروں گا کہ موسیٰ" کے مثل کون ہو گا اور بنی اسرائیل کے بھائی کون سے ہوں گے۔ بنی اسرائیل میں جو نبی آئے وہ تو بنو اسرائیل میں سے ہوئے۔ انہوں نے مانا کہ موسیٰ کی مانند سے مراد یہ ہونا چاہئے کہ وہ رسول صاحب شریعت ہوں' جیسے حضرت موسیٰ" شریعت لے کر آئے۔ "ان کے بھائیوں" میں سے یعنی وہ بنو اسماعیل میں سے ہوں گے۔ بہرحال انہوں نے وضاحت کے ساتھ پوری بات سنی' لیکن میں حیران ہوا کہ کتاب استثناء کی وہ آیت ان کے ذہن میں بالکل نہیں تھی۔ دراصل مختلف مذاہب کے پیروکاروں خصوصاً ان کے زیادہ پڑھے لکھے لوگوں میں یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بعض چیزوں کو taken for granted لیتے ہیں اور ان پر توجہ نہیں کرتے۔ ایک بار شاہجہان کے دربار میں ایک ایسا ہی واقعہ ہو گیا تھا جہاں عیسائی مناظرین اور علمائے اسلام کا مناظرہ ہو رہا تھا۔ ایک عیسائی نے اپنے دعویٰ کے حق میں دلیل کے طور پر قرآن مجید کی ایک آیت پیش کی۔ تمام علماء نے کہا کہ "یہ قرآن میں ہے ہی نہیں' تم جھوٹ بول رہے ہو"۔ قرآن منگایا گیا تو وہ آیت قرآن میں دیکھ کر سب کی گردنیں لٹک گئیں۔ اس لئے کہ ان کے شب و روز تو فقہ پڑھنے میں گزرتے تھے' انہیں فتویٰ دینا ہوتا تھا۔ عدالت میں قاضی کو مقدمے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے تو قرآن سے کیا سروکار؟ سارا معاملہ فقہ کا ہے۔ چنانچہ ان کے شب و روز فقہ کے اندر ہی گم تھے۔ قرآن مجید کی تو صرف حصول ثواب کے لئے تلاوت تھی۔ اسی طرح کی حیرانی میں نے پروفیسر وشوگراڈ کے چہرے پر دیکھی۔ انہوں نے کہا کیا واقعی یہ تورات میں ہے؟ میں نے کہا ہاں ہے۔ جب تورات منگائی اور کھولی گئی تو وہ حیران ہو گئے۔

بہرحال حضور ﷺ کی آمد پر یہود و نصاریٰ کا یہی امتحان تھا کہ وہ انہیں پہچانتے ہیں یا نہیں۔ جب کہ حضور ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں ان کی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ آگے فرمایا ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (چونکہ شریعتوں میں فرق تمہارے امتحان کے لئے تھا) "اس لئے اب تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو، تم سب کو بالآخر اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے" ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾ "اور پھر اللہ تمہیں جتلا دے گا ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے"۔ آگے پھر اسی بات کا اعادہ ہو رہا ہے۔ گویا حضور ﷺ کو مزید تاکید کی جا رہی ہے ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ "اور اے نبی ﷺ آپ فیصلہ کیجئے ان کے مابین اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ذرا بچتے رہئے، چوکنے رہئے کہ یہ کہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بچلا نہ دیں"۔ یعنی یہ طرح طرح کے فتنے اٹھائیں گے اور پھر آپ کا شریعت پر اور اللہ کی کتاب پر قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ "تو اے نبی پھر یہ اگر پیٹھ موڑ لیں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اب ان کے کچھ گناہوں کی پاداش میں ان کو پکڑنا چاہتا ہے (یعنی ان کی سزا مقدر ہو چکی ہے)۔ اور یقیناً انسانوں کی بہت بڑی تعداد نافرمانوں پر مشتمل ہے"۔ ﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ "تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں"۔

"شریعت" اور "منہاج" کا مفہوم

یہ ہے وہ رکوع کہ جس میں ایک اہم ترین علمی خزانہ یہ آیت ہے ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ یہاں "مِنْكُمْ" سے مراد کیا ہے؟ ظاہر بات ہے اس رکوع میں تورات اور تورات کے ماننے والوں کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح انجیل کا ذکر آیا، حضرت مسیحؑ کا ذکر آیا، پھر حضور ﷺ اور قرآن کا ذکر آیا، تو گویا کہ یہاں یہی تین اُمتیں مراد ہیں، پیروانِ موسیٰؑ، پیروانِ عیسیٰؑ یعنی سابقہ اُمتِ مسلمہ اور پیروانِ محمد ﷺ جو موجودہ اُمتِ

مسلمہ ہے۔ "شِرْعَة" بھی قابل توجہ لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک شریعت' ایک لائحہ عمل اور ایک طریقہ کار۔ اس مادے سے قرآن مجید میں پانچ جگہ پر الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں یہ مادہ دو جگہ آیا ہے ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ (آیت ۱۳) یعنی اللہ نے موسیٰ' عیسیٰ' ابراہیم' نوح اور حضرت محمد ﷺ کو دین تو ایک ہی دیا اور ان سب کو وصیت کی تھی کہ اسے قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ یعنی دین ایک ہے' اور دین میں کوئی فرق نہیں۔ آگے چل کر اسی سورۃ کی ۲۱ ویں آیت میں آتا ہے ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ "کیا یہ جو مشرکین عرب ہیں ان کے ایسے شریک بھی ہیں جنہوں نے ان کو کوئی دین دیا ہو جس کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو" کیونکہ اللہ نے تو دین دیا ہے۔ تو پوچھو ان سے کہ یہ جن بتوں (لات' منات اور عزیٰ) کو پوجتے ہیں کیا انہوں نے بھی کوئی دین دیا ہے' کوئی ہدایات' کوئی نظام دیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں دیا۔ سورۃ الشوریٰ میں دو دفعہ "شرع الدین" دین کو معین کر دینا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اس کے بعد شریعت کا لفظ سورۃ الجاثیہ میں آیا ہے۔ پہلے اس کی آیات ۱۶' ۱۷ میں تورات کا ذکر آیا ہے' اس کے بعد انجیل کا ذکر نہیں ہے اور تورات کے ذکر کے فوراً بعد آتا ہے ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ ﴾ "اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو الامر کی شریعت پر اٹھایا ہے" یہاں یہ بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ شریعتیں دو ہی ہیں' شریعت موسوی اور شریعت محمدی ﷺ۔ کیونکہ انجیل میں کوئی شریعت نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ شریعت موسوی ہی کی توثیق کے لئے آئے تھے۔ آج بھی موجودہ بائیبل میں ان کے الفاظ موجود ہیں: "Don't think I have come to destroy law" یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ میں شریعت موسوی کو ختم کرنے آیا ہوں"۔ دراصل موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعت ایک ہی تھی' کتابیں دو ہونے کے اعتبار سے دو امتیں شمار ہو گئیں' جیسے کہ سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے۔ درحقیقت شریعت کے اعتبار سے وہ ایک ہی امت تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سینٹ پال نے شریعت ساقط کر دی۔ چنانچہ عیسائیت ایسا دین ہے جس میں شریعت سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ سارا درحقیقت پال ازم ہے' عیسائیت ہے ہی نہیں۔

"The Hundred" کے مصنف نے صحیح لکھا ہے کہ موجودہ عیسائیت کی پال سے نسبت ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ اور ان کے حواری در حقیقت یہودی کا ایک فرقہ اور جماعت سمجھے جاتے تھے۔ اور حضرت مسیحؑ ایک خاص نہج پر کام کر رہے تھے۔ ان کے پیش نظر ایک الگ امت بنا دینا نہیں تھا۔ اسی طرح اس آیت میں بیان ہوا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ "کہ ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت معین کی"۔

یہاں دوسرا لفظ آیا ہے "منہاج"۔ جس طرح دین ایک تھا اور شریعتیں جدا ہیں' اسی طرح انبیاء کے منہاج بھی جدا ہیں اور میری گفتگو کا موضوع بھی در حقیقت "منہاج" یعنی طریقہ کار ہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کا طریقہ کار کیا تھا؟ گویا یہ بات میری گفتگو کا main theme ہے۔ پھر آگے چل کر ان مختلف منہاجوں کی روشنی میں اس وقت جو مختلف تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا جائزہ لینا ہے کہ طریقہ کار کے حوالے سے کہ ان کے ڈانڈے کہاں جا کر ملتے ہیں۔ اس سے پیشِ نظر کیا ہے؟ ایک تو یہ کہ ہمارے اندر فکر و نظر اور قلب میں وسعت پیدا ہو کہ اگر کوئی جماعت کسی اور نبی کے منہاج پر کام کر رہی ہے تو ان کی کلی نفی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ کہ تمام انبیاء و رُسل ایک اُمت واحدہ ہیں۔ عیسوی یا موسوی منہاج اگرچہ محمدی منہاج سے مختلف ہو سکتا ہے لیکن حرام' ناجائز یا دین کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ دین تو ایک ہی ہے۔ فرض کیجئے امت کے اندر کچھ لوگ منہاجِ موسوی کے مطابق کام کر رہے ہیں اور کچھ لوگ منہاجِ عیسوی کے مطابق کام کر رہے ہیں یا کچھ لوگوں نے براہِ راست منہاجِ محمدی ﷺ کو اختیار کیا ہے' لیکن ان سب کو ایک دوسرے کے لئے بھی قلب و ذہن میں گنجائش رکھنی چاہئے۔ اس لئے کہ آخر سب کے سب اللہ کو ماننے والے ہیں اور ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ کے مصداق جو محنتیں ہم کر رہے ہیں ان کا اگر کوئی اجر و ثواب ہے تو اس کا اجر ہمیں ملے گا اور جو بھی سعی و جُہد وہ کر رہے ہیں اس کا اجر و ثواب انہیں ملے گا۔ ﴿ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ہمارے اور تمہارے مابین کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں' کسی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے کی نفی کر دینا درست نہیں ﴿ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ﴾ "اللہ ہمیں جمع کر دے گا"۔ یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ دنیا ہی میں جمع کر دے۔ کچھ عرصے کے بعد ہم پر منکشف ہو جائے کہ آپ کا طریقہ ٹھیک تھا' ہم آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یا ان پر منکشف ہو جائے کہ یہ طریقہ کار بہتر تھا اور وہ ہمارے ساتھ آ جائیں۔

اس کی مثال میں دیا کرتا ہوں کہ حج کے موقع پر ۹ ذوالحجہ کو بے شمار قافلے عرفات کی طرف چلتے ہیں' جن کے راستے مختلف ہیں۔ اب تو آٹھ دس سڑکیں ہیں اور ہر سڑک فٹ بال کے گراؤنڈ جتنی چوڑی ہے۔ ہر قافلے نے اپنا اپنا جھنڈا اٹھا رکھا ہوتا ہے تاکہ اس قافلے میں شامل لوگوں میں سے کوئی بچھڑ نہ جائے۔ بہرحال بے شمار قافلے ہوتے ہیں' لیکن ان کی منزل ایک ہوتی ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے ہیں ان کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے اور وہ عرفات میں جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہمیں جمع کر دے گا۔ اور اگر دنیا میں نہ بھی جمع ہوئے تو قیامت میں تو جمع ہونا ہی ہے' پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا ہو جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا' کون حقیقت پر گامزن تھا اور کون خیالات و تصورات پر چل رہا تھا۔ تاہم ان منہاجوں پر غور کا ایک مقصد یہ ہے کہ سینوں' ذہنوں اور قلوب کے اندر کشادگی پیدا ہو۔ لیکن یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ افضل منہاج "منہاجِ محمدی" ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے حجت صرف منہاجِ محمدی ﷺ ہے۔ ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ "تمہارے لئے اللہ کے رسول محمد ﷺ میں بہترین نمونہ ہے"۔

منہاجِ موسوی علیہ السلام

اب آیئے سب سے پہلے دیکھیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا منہاج کیا تھا؟ حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا رُخ فرعون کی طرف تھا۔ قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے کہ ہم نے بھیجا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کو فرعون کی اور اس کے سرداروں کی طرف" کیونکہ فرعون اور اس کے سردار کافر تھے۔ ان کی طرف بعثت موسوی کا رُخ دعوت الی اللہ کی غرض سے تھا' جس کا سورۃ النازعات میں تذکرہ ہے ﴿ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ○ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ○ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ○ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴾ (آیات ۱۵۔۲۲) ان آیات میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ موسیٰؑ نے فرعون کو یہی دعوت دی کہ اگر تم اللہ کا قرب حاصل

کرنا چاہتے ہو اور تم چاہتے ہو کہ تمہارا تزکیہ ہو جائے تو میری پیروی کرو' میں تمہیں راستہ دکھاؤں گا۔ لیکن بعض اعتبارات سے بعثت موسوی کا جو نمایاں مقصد تھا وہ ایک بگڑی ہوئی لیکن مظلوم اور محکوم مسلمان قوم یعنی بنی اسرائیل کو غلامی کے پھندے سے نجات دلانا تھا۔ بنی اسرائیل حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ جن کا لقب اسرائیل تھا' ان کے بارہ بیٹوں کے بارہ قبیلے ہیں۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین تھا لیکن یہ قوم مصر آکر محکوم ہو گئی "مُسْتَضْعِفُوْنَ" بنالی گئی۔ آل فرعون نے انہیں دبائے رکھا ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ﴾ وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ آل فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے۔ اس قوم کو غلامی کے بندھن سے نجات دلانا حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ مضمون تو چند مقامات پر آیا ہے جو میں نے سورۃ النازعات کے حوالے سے بتایا ہے جبکہ اکثر مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی دوسری شان زیادہ نمایاں کی گئی ہے ﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ﴾ (طٰہٰ:۴۷) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو جو حضرت یوسف کے زمانے میں آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اب تم ان پر ظلم کر رہے ہو تو یہ درست نہیں ہے' انہیں واپس جانے دو۔ لیکن مصری ان کو کیسے جانے دیتے؟ وہ تو ان کے لئے مزدور اور خادم تھے۔ وہ ان کے مَردوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تاکہ عورتیں ان کے گھروں میں کام کریں۔ اہرامِ مصر کی تعمیر میں بنی اسرائیل کے مَردوں' عورتوں اور بچوں کی ہڈیاں چورا ہو کر شامل ہیں۔ قرآن مجید ثابت کر رہا ہے کہ آلِ فرعون کی غلامی اور ان کے تشدد سے بنی اسرائیل کی نجات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے تھا۔

اب ذرا نوٹ کیجئے کہ بنی اسرائیل کون تھے۔ دراصل یہ بنی ابراہیمؑ اور ایک مسلمان قوم تھے۔ الحمدللہ وہ موحد تھے' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ کہ ان کے پاس کتاب تھی نہ شریعت۔ تورات ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کا ذکر قرآن میں ہے ﴿ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴾ ان صحیفوں میں ہدایات ہوتی تھیں۔ شریعت کے لئے چار کتابیں تورات' انجیل' زبور اور قرآن نازل ہوئیں۔ حضرت

ابراہیم کے صحیفے کہاں ہیں' معلوم نہیں۔ میرا ذاتی گمان ہے کہ ہندوؤں کی متبرک کتابوں میں سے "اپنشد" ان صحیفوں کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔ واللہ اعلم!۔ جس کو ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں وہ تو یہ چار کتابیں تورات' زبور' انجیل اور قرآن مجید ہی ہیں جو ہمارے ایمان میں شامل ہیں۔

بنی اسرائیل اگرچہ ایک نسلاً مسلمان قوم تھے' لیکن ان کا کردار کیا تھا' میں چاہتا ہوں کہ اس کو سمجھ لیا جائے۔ اس قوم کے کردار کا ایک رُخ تو یہ سامنے آیا کہ حضرت موسیٰؑ پر ان کے معدودے چند نوجوان ایمان لائے جبکہ پوری قوم نے انہیں اللہ کا نبی اور رسول نہیں مانا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ ان کے نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا ﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ "پس نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر چند نوجوان اس کی قوم میں سے"۔ قوم مسلمان ہے' بایں معنی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی تصدیق اور آپؑ کو نبی و رسول تسلیم کرنے میں مذبذب رہی۔ قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے' باقی قوم ڈرتی رہی کہ ہم موسیٰ پر ایمان لائیں گے تو فرعون ہم پر مزید ظلم و ستم کرے گا۔ خود ان کے سردار فرعون کے ایجنٹ بنے ہوئے تھے۔ جیسے تقسیم ہند سے پہلے ہمارے ہاں "خان بہادر" اور "سر" مسلمانوں اور ہندوؤں ہی میں سے ہوتے تھے جو انگریزوں کے ایجنٹ بن کر درحقیقت حکومتی گاڑی کو چلنے میں مدد دیتے تھے۔ اسی طرح قارون قومِ موسیٰ میں سے تھا۔ فرعون کے درباریوں (مقربین) میں سے تھا۔ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اس نے اس طرح دولت کے انبار جمع کئے جیسے انگریز کے دور میں بڑے بڑے ٹھیکیدار راتوں رات کروڑ پتی بن گئے۔ خاص طور پر جنگ کے زمانے میں تو سپلائی کے ٹھیکیداروں کیلئے چاندی نہیں سونا ہوا کرتا تھا۔ اس طرح کی یہ قوم تھی۔

دوسرا رُخ دیکھئے' قرآن مجید نو معجزے (تِسْعَ اٰيٰتٍ) بیان کرتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ وہ نو معجزے ان کی قوم اور فرعون نے دیکھے۔ کبھی ان پر مینڈکوں اور کبھی چیچڑیوں کا عذاب آگیا' کبھی خون کی بارشیں ہو رہی ہیں' کبھی قحط سالی آرہی ہے۔ پھر سب سے بڑا معجزہ بھی انہوں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کے عصا کی ضرب سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور فرعون ان کی نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا۔ لیکن

اس کے باوجود اس ناہنجار قوم کا حال یہ ہے ﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ ﴾ "جب ہم نے ان کو سمندر سے پار کر دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کی پوجا کرتے تھے"۔ ﴿ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ﴾ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود تراش دو جیسے ان کے معبود ہیں۔ گویا ؎

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر!

اب تم جس اللہ کی بات کرتے ہو اسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ ع

کبھی اے حقیقت منتظر آ لباس مجاز میں!

آپ ہمیں کوئی دکھائی دینے والا معبود تراش دیں۔ ﴿ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ ﴾ اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم ایسی قوم ہو جو نہایت جہالت کا معاملہ اختیار کر رہے ہو۔ یہ وہ قوم ہے جو دس معجزے دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰؑ سے بُت تراشنے کی فرمائش کر رہی ہے۔ اور جب اللہ نے حضرت موسیٰ کو تورات دینے کے لئے کوہ طور پر بلایا تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے اور قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے توبہ کرنا چاہی۔ توبہ کی قبولیت کی شرط کے طور پر ستر ہزار افراد قتل کئے گئے۔ تو اندازہ کیجئے ایسی بگڑی ہوئی ناہنجار قوم ـــــ لیکن چونکہ مسلمان قوم ہے اس لئے ان کی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ اور ان سب کوتاہیوں کے باوجود اللہ کا فضل و کرم ان پر جاری رہا کہ شاید وہ سیدھے راستے پر آجائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام و اکرام کئے وہ صرف انہی کا اعزاز ہے۔ فرمایا ﴿ ظَلَّلْنَا عَلَیْھِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْھِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ﴾ وہ صحرا کے اندر جہاں جہاں بھی جاتے تھے بادل کا ایک سائبان ساتھ ساتھ چلتا تھا' جبکہ کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل ہو رہا تھا۔ اسی طرح ان کے لئے ایک ہی چٹان سے پانی کے بارہ چشمے نکالے گئے۔

اب اس قوم کی تیسری نالائقی ملاحظہ کیجئے کہ کم سے کم تیرہ معجزے دیکھنے والی قوم کا یہ حال ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہو جاؤ تو کورا جواب

دے دیا : ﴿ یٰمُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا ﴾ کہ ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے فلسطین میں جب تک یہاں جو قوم آباد ہے وہ نکل نہ جائے۔ یعنی ہم جانیں دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے نوجوانوں میں سے دو نوجوانوں یوشع بن نون (جو بائیبل میں "جوشوا" کہلاتے ہیں) اور کالب بن یفنّا نے قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کیوں بزدلی دکھا رہے ہو' ہمت کرو' کوشش کرو تو قوم نے کورا جواب دیا کہ ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ "موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر جنگ کرو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ ع زمین جنبد نہ جنبد گل محمدؐ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتنی شدید بیزاری طاری ہوئی کہ انہوں نے کہا ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ پروردگار! مجھے تو اپنی جان یا اپنے بھائی ہارون کی جان کا اختیار ہے اور یہ قوم کو را جواب دے رہی ہے' پس تو ہمارے اور ان کے درمیان تفریق پیدا کردے' اب میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ تصور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اس ناہنجار قوم کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی رہنے کو تیار نہیں۔ یہ ساری تفصیل اس لئے بیان کی ہے کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان قوم کی اصلاح' اس کو غلامی سے چھٹکارا دلانے اور مصائب سے نکالنے کی اہمیت کو سمجھئے کہ یہ کام بھی کتنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا بھی رد کردی کہ میں اب ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا اور انہیں اپنی قوم کے ساتھ رہنا پڑا۔ البتہ اب ان بدبختوں کو اس نافرمانی پر سزا ضرور ملی یعنی اگر انہوں نے یہ بزدلی نہ دکھائی ہوتی تو انہیں فلسطین میں اقتدار مل جاتا اور اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔ چنانچہ فرمایا ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ اب یہ چالیس برس تک اسی صحرا میں بھٹکتے پھریں گے اور ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی ہے۔ انہی چالیس سالوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا' پھر حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب وہ نئی نسل جو اس صحرا میں پیدا ہوئی اور یہیں پر پلی بڑھی اور جوان ہوئی' ان کے ماتھے پر غلامی کا داغ نہیں تھا۔ غلامی کا داغ قوموں کی نفسیات کے اندر گہرا اتر جاتا ہے اور اس کی وجہ سے غیرت کچلی جاتی ہے' قوم کی حمیت ختم ہو جاتی ہے ع

حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے!

بنی اسرائیل کی بزدلی اس غلامانہ ذہنیت کی عکاس تھی جو آلِ فرعون کے دست نگر رہنے کی وجہ سے develop ہو گئی تھی۔ لیکن چالیس سال بعد جو نئی نسل صحرا میں تیار ہوئی تھی وہ کم ہمت نہ تھی' وہ صحرا میں رہنے کی وجہ سے سخت جان ہو چکی تھی' ان میں وہ غیرت اور حمیت موجود تھی جو صحرا اور پہاڑوں میں رہنے والوں کا خاصہ ہوتی ہے ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

چنانچہ یہ جو "بندۂ صحرائی" قسم کی قوم اُبھری اُس نے حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا۔ یہ ہے منہاجِ موسوی کہ ایک مسلمان قوم جو اگرچہ بگڑی ہوئی ہو' اس کے اخلاق اور دین میں کتنا ہی فساد آ گیا ہو' لیکن پھر بھی اس کی دنیاوی فلاح و بہبود اور اس کو غلامی سے نجات دلانا کوئی غلط کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔

منہاجِ عیسوی علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بہت سے اعتبارات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برعکس ہے۔ یہ بھی بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے۔ چاہے بن باپ کے پیدا ہوئے لیکن بن ماں کے تو نہیں ہیں۔ حضرت مریم (سلام علیہا) تو اسرائیلی ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن مجید خاص طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ ﴿ رَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ یعنی ان کی رسالت کا اصل رُخ بنی اسرائیل کی طرف تھا۔ انہیں کسی اور قوم کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے دو پہلو تھے۔ حضرت موسیٰؑ ایک طرف بنی اسرائیل کے لئے مصلح اور نجات دہندہ بنا کر بھیجے گئے تو دوسری طرف ان کی دعوت کا رُخ فرعون اور اس کی قوم کی طرف تھا۔ نوٹ کیجئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں باہر سے آ کر آباد ہونے کی وجہ سے غلام بنے ہوئے تھے' جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل اپنے ملک میں غلام بنے ہوئے تھے۔ ان کے ملک پر رومن ایمپائر کا قبضہ تھا۔ فلسطین سلطنت روما کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں پائیلیٹ پونٹیئس (Pilate Pontius) گورنر تھا جب کہ رومیوں نے مقامی طور پر ایک یہودی کو بھی حکمران بنا رکھا تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے انگریزوں کے دور میں ہندوستان کے کچھ علاقوں میں

جو تاج برطانیہ کے تحت تھے وہاں ان کا نمائندہ نواب یا راجہ تشریف فرما ہوتا تھا۔ اصل حکومت تو انگریز کی تھی۔ اسی طرح یہاں بھی اصل حکومت رومیوں کی تھی' لیکن انہوں نے مقامی لوگوں میں سے ایک یہودی کو بادشاہ بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کی آزادی کا نام تک نہیں لیا کجا یہ کہ اس کے لئے کوئی مہم چلائیں' کوئی دعوت دیں' کوئی تحریک اٹھائیں۔ بلکہ بنی اسرائیل جس کمزوری کے باعث رومن حکومت کے زیر نگیں ہوئے تھے اسے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک گروہ ایسا بھی موجود تھا جو بغاوت کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ یہ لوگ ہتھیار بناتے تھے اور پہاڑوں کی کھوؤں میں رہتے تھے۔ انہی میں سے وہ جوڈس اسکاریاٹ (Judas Iscariot) تھا جس نے مسیحؑ کو پکڑوایا اور گرفتار کروایا۔ وہ انہی باغیوں میں سے تھا اور حضرت مسیحؑ کا بہت معتقد تھا۔ یقیناً وہ حضرت مسیحؑ پر سچا ایمان رکھتا تھا' لیکن اس کا خیال یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ ایک دفعہ رومیوں کے خلاف بددعا کر دیں تو یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ مردہ کو زندہ کر دیتے تھے' پرندہ بنا کر پھونک مارتے تھے تو وہ اُڑتا ہوا پرندہ ہو جاتا تھا۔ پھر یہ کہ مادر زاد اندھے کو آپ کی دعا سے بینائی مل جاتی تھی۔ اگر کسی کو انتہائی موذی مرض کوڑھ لگا ہوا ہوتا اور آپ ہاتھ پھیرتے تو کوڑھ ختم ہو جاتا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ذرا ان کو گرفتار کروا دو' جب انہیں تکلیف پہنچے گی اور یہ بددعا کریں گے تو رومن ایمپائر کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ اصل میں اپنے اس یقین کی وجہ سے اس نے آپ کو گرفتار کروایا۔ تاہم توجہ طلب بات یہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی رومنز کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ بلکہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ رومی ہم سے ٹیکس مانگتے ہیں تو ہمیں یہ ٹیکس دینا چاہئے یا نہیں؟ انہوں نے کہا تم ٹیکس میں کیا دیتے ہو؟ اس پر انہیں سکہ دکھایا گیا جس پر قیصر روم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حکمت دیکھئے' انہوں نے فرمایا "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو' جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو"۔ یہ بات کی ہے لیکن براہِ راست انہیں بغاوت پر نہیں اُکسایا۔ (۱)

---

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے اس رُخ کی تصدیق اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ یہودیوں کی عدالت نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ارتداد اور کفر کا فیصلہ دیا اور انہیں واجب القتل قرار دے دیا۔ لیکن رومن گورنر کی توثیق کے بغیر وہ خود سزا نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ انہیں ⇐

دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری کوشش یہود کی اخلاقی اور روحانی اصلاح پر مرتکز تھی۔ ساری انجیل پڑھ جایئے۔ آپ علیہ السلام کی یہی کوشش ہے کہ بنی اسرائیل روح دین کی طرف رجوع کریں' مثلاً: "تم نے چھلکا ہاتھ میں لے رکھا ہے اصل دین تمہارے اندر موجود نہیں" یا "تمہاری مثال ان قبروں کی سی ہے جن کو اوپر سے سفیدی کی ہوئی ہوتی ہے لیکن اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا"۔ یعنی تم روحانی و اخلاقی اعتبار سے گل سڑ چکے ہو۔ گویا آپ" کا سارا منہاج یہی ہے کہ بنی سرائیل (مسلمان قوم) ایمان کی حقیقت سے آشنا ہو جائے' جو اللہ کو ماننے والے اور آخرت کو ماننے والے ہیں۔ ان کے اندر اخلاص پیدا ہو جائے۔

منہاجِ عیسوی میں جو دوسری نمایاں بات نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا کوئی مرکز نہیں بنایا۔ ہمہ وقت گردش' سفر' گشت۔ آج یہاں' کل وہاں' کہیں مچھلیاں پکڑنے والوں کو تبلیغ کر رہے ہیں کہ مچھلیاں پکڑنے والو آؤ' میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں۔ صرف وعظ' (Sermons) تبلیغ' نصیحت ہی آپ" کا مقصد بعثت تھا۔ میری معلومات کی حد تک حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ جو انجیل میں منقول ہیں ان سے زیادہ مؤثر کوئی وعظ میری نگاہوں سے نہیں گزرا۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے رسول اللہ ﷺ کے مواعظ محفوظ نہیں ہوئے۔ آپؐ کے اصل مواعظ تو مکّہ کے اندر ہوئے اور ان کا ریکارڈ ہمارے پاس نہیں ہے' کیونکہ حضور ﷺ نے خود صحابہ کو آخری وقت تک اس سے روکے رکھا اور فرمایا ((لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْآن)) کہ میری باتیں مت لکھو' صرف قرآن لکھو تاکہ سب گڈمڈ نہ ہو جائے' جیسے انجیل میں ہوا ہے۔ انجیل میں اللہ کا کلام' حضرت عیسیٰ کا کلام اور ان کی سوانح سب گڈمڈ ہیں۔ لہٰذا حضرت محمّد رسول اللہ ﷺ کے مواعظ ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مواعظ سے مؤثر کوئی وعظ دنیا میں موجود نہیں۔

⇐ پائیلیٹ پونٹیئس کو refer کرنا پڑا۔ جس نے صاف کہا کہ عیسیٰ نے ہمارے خلاف تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جب ان کی طرف سے دوبارہ اصرار ہوا کہ نہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے تو اس نے پانی کا ایک برتن منگایا کہ میں اس سے اپنے ہاتھ دھو رہا ہوں۔ اب یسوع کا خون تم پر ہے۔

منہاجِ موسویؑ و عیسویؑ کے مشترک نکات

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اگرچہ دونوں بنی اسرائیل میں بھیجے گئے لیکن دونوں کے منہاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تاہم ایک ہی قوم کی طرف مبعوث کئے جانے کی وجہ سے کچھ باتیں مشترک ہیں۔ یعنی دونوں کی شریعت ایک ہے' دونوں کی مساعی ان کی اپنی زندگی کے دوران کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دین کے نظام کو قائم ہوتے دیکھے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کا عروج دیکھے بغیر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اسی طرح دونوں میں ایک اور قدر مشترک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع سماوی کے تین سو برس کے بعد بنی اسرائیل کی ثروت اور شوکت اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ حضرت موسیٰ کے انتقال کے بعد یوشع بن نون کی زیر قیادت یہودیوں نے فلسطین کو فتح تو کر لیا لیکن چھوٹی چھوٹی بارہ مملکتیں بنالیں (جیسے مغلیہ دور کے آخر میں طوائف الملوکی ہو گئی تھی) پھر وہ ریاستیں آپس میں لڑتی بھی رہتی تھیں اور آس پاس کی مشرکانہ اقوام نے ان کو دبالیا تھا۔ جبھی تو انہوں نے وقت کے نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک سپہ سالار بنادو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں تو حضرت طالوت کا تعین ہوا۔ پھر طالوت اور جالوت کی جنگ ہوئی' جس میں اللہ نے انہیں فتح دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور طالوت کی حکومت قائم ہونے میں تین سو سال کا فصل ہے۔ طالوت' داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت در حقیقت بنی اسرائیل کی خلافت راشدہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کا بھی یہی معاملہ ہوا ہے کہ تین سو برس تک شدید ترین تشدد کا شکار رہے' تا آنکہ سن تین سو عیسوی میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی اور پوری سلطنت روما عیسائی ہو گئی۔ اس طرح عیسائیوں کا غلبہ ہو گیا۔

منہاجِ محمدی ﷺ

اب آیئے' حضرت محمد ﷺ کا منہاج کیا ہے؟ اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو یہ ایک انقلابی منہاج ہے' کیونکہ جیسے حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کی تکمیل ہوئی ہے اسی طرح منہاج نبوی کی تکمیل بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوئی ہے' اور جب دین کی تکمیل ہو

گئی تو اس دین کو قائم و نافذ کرنا آپ کا مقصد بعثت قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی دوسرے نبی یا رسول کے لئے یہ الفاظ قرآن میں نہیں آئے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے آئے ہیں : ﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾ یہ الفاظ قرآن میں تین مرتبہ آئے ہیں 'جن سے آپ کا مقصد بعثت نمایاں ہوتا ہے۔ مبشرین' منذرین' داعیان الی اللہ تو سب انبیاء تھے' وہ سب اپنی اپنی جگہ ہدایت کے روشن چراغ تھے۔ لیکن چراغ محمدی ﷺ کی اپنی روشنی ہے۔ تمام انبیاء و رسل کی بعثت میں "اظہار دین الحق" کے علاوہ باقی حیثیتیں مشترک ہیں' لیکن یہ صرف آپ کی مخصوص حیثیت تھی۔ اسی حوالے سے محمد رسول اللہ ﷺ کا منہاج انقلابی ہے جس کا سیرتِ موسوی اور سیرتِ عیسوی کے اندر ہمیں کوئی مساوی یا متوازی نظر نہیں آتا۔

منہج انقلابِ نبوی کے چھ مراحل تھے (۱) دعوتِ ایمان (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبر محض (۵) اقدام یا چیلنج (۶) تصادم۔ سب سے پہلے حضور ﷺ نے توحید کی دعوت دی' جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا انہیں منظم کیا' کیونکہ منظم جماعت کے بغیر انقلاب نہیں آتا' دین کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اگر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے پہلے دن سے بیعت لینی شروع کی ہوتی تو کیا وہ عین وقت پر قتال سے انکار کر سکتے تھے؟ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بیعت کی بنیاد پر صحابہ کو منظم کیا۔ جیسا کہ صحابہ ؓ سے منقول ہے "نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا" اس اعتبار سے منہاج محمدی ﷺ کا ایک ہدف ہے ﴿ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾ تاکہ دین اسلام کل کے کل دین پر غالب ہو جائے۔ یہ انقلابی منہاج ہے۔

اس کے لئے ایمان کی دعوت بذریعہ قرآن دی جائے۔ تنظیم بذریعہ بیعت ہو۔ تیسرا مرحلہ تربیت اور تزکیہ کا ہے۔ چوتھے مرحلے میں ﴿ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ ﴾ کا حکم تھا کہ جب تک اتنی طاقت نہیں ہے کہ نظامِ باطل کے ساتھ ٹکراؤ مول لے سکیں اس وقت تک صبر محض کرو۔ خواہ تمہارے جسموں کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں لیکن تم ہاتھ مت اٹھاؤ۔ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' یہاں تک کہ اپنے بچاؤ کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ بارہ برس تک مکے میں یہی حکم تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب اذن قتال آگیا تو حکم ہوا آگے بڑھو اور باطل سے ٹکر مول لو۔ یعنی خود اقدام کر کے باطل نظام کو چیلنج کرو جس کے نتیجے میں تصادم کا چھٹا

مرحلہ شروع ہو گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے تصادم شروع ہوا اور عرب کی حد تک آٹھ برس میں انقلاب مکمل ہو گیا۔ ﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾

خلافتِ راشدہ میں تو اسی انقلاب کی توسیع ہوئی ہے' جو کسی بھی انقلاب کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر انقلاب ایک جگہ مکمل ہونے کے بعد پھیلتا ہے۔ گویا یہ کسی انقلاب کا litmus test ہے کہ وہ اگر حقیقی انقلاب ہے تو پھر جغرافیائی یا قومی حدود کا پابند نہیں رہ سکتا۔ وہ تو بڑھے گا' کیونکہ حقیقی انقلاب کی بنیاد نظریہ پر ہوتی ہے اور نظریات کے پھیلنے کے لئے نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ویزا کی۔ آپ کو معلوم ہے بالشویک انقلاب روس میں آیا تو اس کے اثرات لاطینی امریکہ میں جا پہنچے۔ کیوبا میں بھی کمیونسٹوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ انقلاب کی توسیع کو ساتواں مرحلہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ انقلاب اسلامی واقعی ایک انقلاب ہے۔ سورۃ التوبہ میں حکم دیا گیا کہ ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ ﴾ اے اہل ایمان! تمہارے ساتھ کفار کی جو سرحدیں بھی ملتی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے قتال کرو۔

تاہم اس مرحلے میں کفار کو تین options دی جائیں گی کہ وہ کسی ایک کو اختیار کر لیں : (۱) اسلام لے آؤ تو ہمارے برابر کے بھائی ہو جاؤ گے' تمہاری املاک' تمہاری جان و مال کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔ (۲) اگر یہ قبول نہیں تو جزیہ دینے کا وعدہ کرو اور تابعدار بن کر رہو' تب بھی تمہاری جان و مال اسی طرح محفوظ ہوں گے جیسے دوسرے لوگوں کی محفوظ ہیں (۳) اگر یہ بھی نہیں تو پھر میدان میں آ جاؤ' تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سپہ سالارِ ایران رستم نے اسلامی فوج سے پوچھا کہ پہلے بھی عرب کے صحرا سے کچھ لوگ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے لیکن اس بار تم لوگ ہماری جان نہیں چھوڑ رہے' تم چاہتے کیا ہو؟۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا "اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا" ہم خود نہیں آئے ہمیں بھیجا گیا ہے' اللہ اور اس کے رسول ؐ نے ہمیں بھیجا ہے (We are on a mission now) مشن کیا تھا "لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ" تاکہ لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی

روشنی میں لے آئیں "وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ" اور بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کردیں۔ ان بادشاہوں اور جاگیرداروں نے لوگوں کا خون چوسنے کا جو نظام بنا رکھا ہے' اس نظام کو ختم کرکے عدل کا نظام قائم کر دیں۔

یہ ہے منہج انقلاب محمدی ﷺ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم آج بھی وہی عظیم انقلاب برپا کرسکتے ہیں جو ۱۴۰۰ سال قبل محسن انسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا۔

منہاجِ ابراہیمی علیہ السلام

سورۃ المائدہ کے ساتویں رکوع کی روشنی میں منہاجِ موسوی" و عیسوی" اور منہج انقلاب محمدی ﷺ کا ذکر اس لئے آیا ہے کیونکہ یہ تینوں رسول صاحب کتاب و شریعت تھے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منہاجِ ابراہیمی" کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ موضوع کی تکمیل ہو سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ پر نظر دوڑائیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک بوڑھا باغبان ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے باغ لگا رہا ہے اور جسے معلوم ہے کہ اس باغ کا پھل کھانا تو درکنار اسے دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔ لیکن وہ پوری تندہی' محنت' مشقت' لگن اور یکسوئی سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ان کا اصل کام یہ تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور بھتیجے کو دین کے مراکز قائم کرکے دیئے کہ یہاں بیٹھو اور دین کی دعوت کا کام کرو۔ ایک بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے حجاز میں آباد کردیا' دوسرے بیٹے اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین میں' جبکہ اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو سدوم اور عاموراہ کی بستیوں میں بھیج دیا اور ان مقامات پر دعوت دین کے مراکز قائم کئے تاکہ دعوت کا تسلسل برقرار رہے۔ بعد ازاں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل جیسی امت مسلمہ وجود میں آئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے امت محمد ﷺ برپا ہوئی۔

تنظیم اسلامی دیگر معاصر دینی تحریکوں کے تناظر میں

اب ان کو مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مختصراً یہ دیکھتے چلیں کہ ماضی قریب میں ہندوستان کے حوالے سے جو مختلف عظیم تحریکیں اٹھی ہیں ان میں سے کس کس کے ڈانڈے کس منہاج سے ملتے ہیں اور ان میں کس حد تک کس منہاج سے مشابہت ہے۔

اس ضمن میں ہندوستان میں جو تجدیدی مساعی ہوئی ہیں یا انگریز کی آمد کے بعد جو بھی مزاحمتی تحریکیں (Resistance Movements) اور آزادی کی تحریکیں چلی ہیں' مثلاً سید احمد شہید کی تحریک جہاد' ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی' انگریز کی غلامی سے نجات کے لئے علمائے کرام کی کوششیں اور مسلم لیگ کی آزاد مسلم ریاست کے قیام کی جدوجہد سب منہاجِ موسویؑ سے مشابہ ہیں' جب کہ صوفیائے کرام کا طرز عمل منہاجِ ابراہیمی پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ایک عظیم تحریک "تبلیغی جماعت" کا طریق کار بہت حد تک منہاجِ عیسوی سے مشابہ ہے' کیونکہ ان کا جہادِ حریت سے کسی قسم کا تعلق نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اسی طرح انہوں نے نہ ہی پہلے کبھی ملی سیاست سے کوئی سروکار رکھا اور نہ اب ہے۔ البتہ حضرت مسیح علیہ السلام کے انداز میں تبلیغی سفر اور گشت ان کا معمول ہیں کہ آج یہاں ہیں اور کل وہاں ہیں۔ نیز اس ساری چلت پھرت کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں میں روحِ دین اور حقیقی ایمان پیدا ہو۔

حال ہی میں شروع ہونے والی ایک اور تحریک "دعوتِ اسلامی" جس کا زور حضور ﷺ کی سنتیں زندہ کرنے پر ہے یہ بھی حضرت عیسیٰؑ کے منہاج سے قریب تر ہے۔

تاہم ان تحریکوں سے کچھ نہ کچھ خیر ضرور برآمد ہو رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کی محنت کے نتیجے میں ایمان کا لب لباب کہ مادی وسائل پر سے تکیہ ختم ہو کر لوگوں میں صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح دعوت اسلامی کے زیر اثر بہت سے نوجوان لباس' وضع قطع اور بود و باش میں سنتیں اپنا رہے ہیں' جو اپنی جگہ بہت قیمتی اعمال ہیں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہمارے سینوں میں ان منہاجوں کے حوالے سے وسعت ہونی چاہئے' کیونکہ ان میں سے کوئی منہج اختیار کرنا حرام نہیں ہے۔ البتہ ہمارے لئے افضل منہاجِ محمدی ﷺ ہی ہے۔ اور اقامت دین یا حقیقی اسلامی انقلاب کی منزل منہج انقلاب نبوی ﷺ پر عمل کر کے ہی سر ہو سکتی ہے۔

اب آیئے منہج انقلاب نبوی ﷺ کی طرف کہ اس پر بھی کسی نے توجہ کی یا نہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں منہج انقلابِ نبوی ﷺ کو فکری اور عملی طور پر تازہ کرنے والے علامہ اقبال ہیں۔ رجوع الی القرآن اور انقلاب کا نعرہ سب سے پہلے علامہ اقبال نے بلند کیا۔ یہ تصور بھی اقبال نے پیش کیا کہ اسلام جب غالب ہو تو دین ہوتا ہے اور مغلوب ہو تو

مذہب بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ منہج انقلابِ نبوی ﷺ کے جو چھ مراحل اللہ نے ہمیں پیش کرنے کی توفیق دی ہے انہیں بھی اقبال نے دو مصرعوں میں سمو دیا ہے ؎

با نشہ ٔ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

مطلب یہ کہ پہلے تو درویشی کا راستہ اختیار کرو' دعوت دو' تربیت و تزکیہ کرو اور خود کو منظم کرو۔ اس راہ میں اگر کوئی مارے تو ہاتھ نہ اٹھاؤ' کوئی گالی دے تو اسے دعا دو۔ یہ چار ابتدائی مراحل ہیں جنہیں اقبال نے درویشی سے تعبیر کیا ہے۔ بارہ برس تک مکے میں یہی درویشی کا دور چلا ہے۔ اگلے مصرعے میں فرمایا کہ جب تم تیار ہو جاؤ' پختہ ہو جاؤ اور تمہاری طاقت مناسب ہو جائے تو اپنے آپ کو باطل نظام سے ٹکرا دو۔ یہ منہاجِ محمدی ﷺ کا پانچواں اور چھٹا مرحلہ ہے۔

اس کے بعد منہاجِ محمدی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد نے کی ہے' جنہوں نے ۱۹۱۳ء میں حزب اللہ بنائی تھی۔ جس کے پیش نظر انگریزوں کی غلامی سے نجات اور حکومت الٰہیہ کا قیام تھا۔ لیکن طریقہ کار کے واضح نہ ہونے اور روایتی علماء کی مخالفت کے باعث یہ تحریک مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ بعد ازاں اس مشن کا بیڑا مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اٹھایا اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کے واضح طریق کار کے ساتھ جماعت اسلامی قائم کی' جو قیام پاکستان کے بعد انتخابی سیاست کی دلدل میں دھنس کر منہاجِ محمدی ﷺ سے دستبردار ہو گئی۔ اب الحمدللہ تنظیم اسلامی منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مطابق پاکستان میں اقامت دین کی جدوجہد کا پرچم بلند کئے ہوئے ہے۔ اور جب تک تنظیم اسلامی حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے اس راستے پر گامزن ہے اللہ کی مدد و نصرت اس کے ساتھ رہے گی۔

اقول قولی ھذا و استغفر اللّٰہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

(مرتب : فرقان دانش خان)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

منہجِ انقلابِ نبویؐ کے حالاتِ حاضرہ پر انطباق

کے ضمن میں

اِقدام اور مسلّح تصادم کا متبادل

قرآن و حدیث کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

گزشتہ دس خطابات میں مَیں اپنی سی امکانی کوشش کر چکا ہوں کہ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک مطالعہ اور ایک جائزہ اس انداز میں آپ کے سامنے رکھ دوں کہ اسلامی انقلاب کے مراحل اور مدارج نکھر کر سامنے آجائیں۔

اب ہمیں گہرے غور و فکر اور نہایت احتیاط کے ساتھ یہ دیکھنا ہو گا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے کن کن مراحل اور امور کو ہمیں جوں کا توں لینا ہو گا اور وہ کون سے مراحل ہیں کہ جن کے بارے میں حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو من حیث المجموع سامنے رکھ کر ہمیں موجودہ حالات کے پیش نظر استنباط کرنا ہو گا اور اس معاملے میں ہمیں کس حد تک اجتہاد کرنا ہو گا۔ اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل پہلے ہمیں اس فرق کو سمجھنا ہو گا جو دو اعتبارات سے دورِ نبوی ﷺ اور آج کے حالات میں واقع ہوا ہے۔

مسلح تصادم کے اعتبار سے

دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق

<u>پہلا فرق</u> : دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں پہلا واضح ترین اور نمایاں ترین فرق تو یہ واقع ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ ایک خالص کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں ہوئی

تھی' جبکہ ہمارا تعلق ایک مسلمان معاشرہ سے ہے اور ہمیں اس میں کام کرنا ہے۔ ہمارے ملک ہی کی طرح دوسرے بہت سے مسلم ممالک ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد اسی فیصد سے زائد ہے اور ان تمام ممالک کے سربراہ اور حکمران بھی مسلمان ہی ہیں۔ رعایا اور حکمرانوں کے کردار' ان کے اخلاق' ان کی سیرت اور دین سے ان کے عملی تعلق کے معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یہ سب کے سب قانوناً مسلمان ہیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ کہیں بھی مکمل اسلامی نظام اپنی آئیڈیل صورت میں عملاً قائم و نافذ نہ ہو بلکہ پورے کا پورا لادینی (Secular) نظام رائج ہو تب بھی وہ مسلمان معاشرہ کہلائے گا اور اس کے حکمران مسلمان ہی تسلیم کئے جائیں گے۔ پھر حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان معاشروں میں کردار کے اعتبار سے ہر طرح کے طبقات موجود ہیں۔ شرابی' زانی' قمار باز اور کئی اعتبارات سے صرف اسلامی اخلاق و کردار ہی سے نہیں عام انسانی سیرت و کردار سے تہی دست افراد بھی موجود ہیں اور اسلامی نظام کے عملاً نافذ نہ ہونے کے باوجود انہی معاشروں میں کچھ نہ کچھ ایسے مسلمان بھی لازماً موجود ہوں گے جو نمازی' روزے دار' اسلامی شعائر کی پاس داری کرنے والے اور انفرادی سطح پر صالح اور متقی مسلمان ہوں۔ بہرحال عملاً یہ تمام لوگ قانوناً مسلمان ہیں اور انہیں کلمہ کی ڈھال حاصل ہے۔ لہٰذا ان حالات میں جن میں نبی اکرم ﷺ نے توحید کی انقلابی دعوت پیش کی اور اس صورت حال میں جس سے ہمارا سابقہ ہے' ایک نہایت نمایاں فرق موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا جس معاشرے سے مقابلہ تھا' وہ فکری و عملی دونوں اعتبارات سے خالص مشرکانہ اور کافرانہ معاشرہ تھا اور ان کا پورا نظام شرک کی بنیادوں پر استوار اور قائم تھا۔ کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں جو فکری طور پر موحد اور عملی طور پر بت پرستی کی نجاست کی آلودگی سے محفوظ تھیں۔ لیکن غالب اکثریت مشرکین ہی کی تھی۔ چنانچہ پہلا اور بنیادی فرق جس کو سامنے رکھ کر ہمیں سوچنا ہو گا یہ ہے کہ آیا ہم نبی اکرم ﷺ کا پورا منہج انقلاب جوں کا توں اور بعینہٖ اختیار کریں گے یا اس میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا!

<u>دوسرا فرق</u> : دوسری اہم بات یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا جو تمدنی ارتقا ہوا ہے اس کے اعتبار سے اب کسی بھی ملک میں جو حکومت ہوتی ہے اس کے پاس تمام وسائل اور پوری قوت موجود ہوتی ہے' جبکہ عوام اب بالکل نہتے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حکومت اور عوام کے مابین فرق

و تفاوت اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ وہ جو مسلح تصادم (Armed Conflict) والا مرحلہ ہے' یعنی پہلے سے قائم شدہ باطل نظام سے مسلح تصادم کا معاملہ وہ نظری اور عملی دونوں اعتبارات سے قریباً ناممکن ہو چکا ہے۔ یہ دونوں تبدیلیاں ایسی بنیادی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ہمیں معروضی طور پر غور کرنا ہے کہ اگر ہم اسلامی انقلاب برپا کرنے کا تہیہ اور عزم کرتے ہیں تو ان تمام مراحل میں جن سے نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد اور سعی و کوشش گزری آیا ہمیں بعینہٖ وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو ہمیں سیرتِ مطہرہ میں ملتا ہے یا یہ کہ اُن اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مرحلہ پر ہم یہ دیکھیں کہ کس کس پہلو سے ہمارا لائحہ عمل مختلف ہو گا۔

زیر بحث موضوع کی وضاحت سے پہلے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس صورت حال کو ایک مفروضہ کی حیثیت سے سامنے رکھیں اور سردست اس بات کو ذہن سے نکال دیں کہ اس وقت پیشِ نظر پاکستان کی حکومت اور اس کا معاشرہ ہے۔ ورنہ اس مسئلہ میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

گفتگو کی عکسی ترتیب

اصلاً تو ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام کے جو چھ مراحل بیان کئے گئے تھے' انطباق کے معاملہ میں بھی وہی ترتیب اختیار کی جائے۔ یعنی پہلے اس مسئلہ پر اظہار خیال ہو کہ دعوت کے مرحلہ میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اور اگر ہو گا تو وہ کیا ہو گا؟ پھر تنظیم کے مرحلہ اور اس کے طریق کار میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اگر ہو گا تو کیا ہو گا؟ تربیت کے عمل میں کوئی فرق و تفاوت ہو گا یا نہیں' اگر ہو گا تو کیا ہو گا؟ اسی کے ساتھ صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ ہے' جس کے بعد اقدام (Active Resistance) کا مرحلہ آتا ہے۔ گنتی اور ترتیب کے اعتبار سے تو یہ دونوں مرحلے چوتھے اور پانچویں نمبر کے طور پر بیان ہوتے ہیں جبکہ حقیقت کے اعتبار سے صبر محض کا مرحلہ پہلے مرحلے یعنی دعوت کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ تو سوچنا ہو گا کہ آیا ان کے ضمن میں بھی کسی اجتہادی تبدیلی کی ضرورت ہو گی یا نہیں۔ اسی طرح آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کا معاملہ ہے کہ آیا اس میں بھی کوئی فرق و تفاوت ہے یا نہیں ہے' اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

موضوع کی نزاکت

زیر بحث موضوع بڑا نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے' کیونکہ اس دور میں اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کی بظاہر احوال اُس وقت تک کوئی صورت ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس مسئلہ کو تمدنی ارتقاء کی روشنی میں حل نہ کیا جائے اور اس کے صحیح متبادل طریقہ کو تلاش نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارا اصل ہدف اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے' جس کے چھ مراحل کا تذکرہ کافی تفصیل کے ساتھ ہو چکا۔ چونکہ قانونی اعتبار سے آخری مراحل میں ہی سب سے بڑا فرق واقع ہوتا ہے اس لئے انہی مراحل کا ذکر پہلے ہو گا اور یہ فرض کیا جائے گا کہ ابتدائی مراحل کسی معاشرہ میں مکمل ہو چکے ہیں۔ یعنی خالص اسلام کی دعوت پر ایک تحریک اُٹھی' اس کو اس معاشرہ میں مقبولیت حاصل ہوئی' اسے response ملا' لوگوں نے شعوری طور پر اس دعوت کو قبول کیا۔ پھر وہ منظم ہوئے اور سمع و طاعت والی ایک تنظیم کا نظام قائم ہو گیا۔ پھر ان کی تعداد بھی اتنی معتدبہ ہو گئی کہ وہ تنظیم اب رائج نظام کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ پھر یہ کہ تنظیم کے کارکنوں کی تربیت بھی ایسی ہو چکی ہے کہ انفرادی کردار و اخلاق اور سیرت کے اعتبار سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق یہ حسن ظن موجود ہے کہ وہ فی الواقع اپنی انفرادی زندگی میں اپنے امکان بھر اسلام کو عملاً نافذ کر چکے ہیں' انہوں نے تزکیہ کے مراحل بھی طے کر لئے ہیں اور ان کے دل راہِ حق میں قربانیاں دینے کے لئے بے تاب ہیں۔ یہ مفروضات (Pre-suppositions) ہیں جو پیشِ نظر ہوں گے۔ کسی انقلابی عمل کا آخری مرحلہ مسلح تصادم ہوتا ہے' مگر یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے' یہ فوری طور پر عمل کرنے والی بات نہیں ہے' لہٰذا اس آخری مرحلہ کو صرف علمی طور پر سمجھنا ہو گا۔

مزید برآں ہمارا سابقہ ایک مسلمان معاشرہ سے ہے' جو ایمان اور عمل دونوں اعتبارات سے سخت مضمحل ہو چکا ہے۔ نیز جس میں حکومت کرنے والے بھی مسلمان ہیں' خواہ وہ بادشاہ ہوں' جیسے سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں ہیں' چاہے وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں اور خواہ وہ جمہور کے منتخب نمائندے ہوں' جیسے بہت سے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔ اپنی نجی زندگیوں میں وہ کچھ بھی ہوں' فاسق و فاجر ہوں' یا نمازی اور روزہ دار ہوں' دونوں صورتوں میں وہ مسلمان ہیں' لیکن اس معاشرہ میں اسلامی نظام قائم نہیں

ہے' تو وہاں پر رائج نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر صحیح و حقیقی اسلامی نظام کے قیام کے لئے آخری اقدام کی صورت کیا ہوگی یا بالفاظ دیگر کیا ہو سکتی ہے جو مسلح تصادم کا بدل (alternative) بن سکے؟

ایک اسلامی تحریک کے اوصاف

آگے بڑھنے سے قبل بات کی تفہیم کے لئے ایک بار پھر ایسی تحریک کے اوصاف ذہن میں تازہ کر لیجئے جو ٹھیٹھ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کسی معاشرہ میں اُٹھی ہو۔ وہ تحریک کسی فرقہ واریت کی بنیاد پر نہ اُٹھی ہو' وہ محض رائج الوقت نظام کی کسی جزوی اصلاح کے لئے نہ اُٹھی ہو' وہ صرف کسی انتخابی عمل کے ذریعے اس نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنے کے لئے میدان میں نہ آئی ہو' بلکہ اس جماعت کا مقصد خالص اسلامی انقلاب برپا کرنا ہو۔ یعنی معاشرہ میں علمی و عملی دونوں اعتبارات سے توحید کے نفاذ و انعقاد کی جدوجہد ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو۔ پھر یہ کہ ایک معتدبہ تعداد میں لوگوں نے اسے شعوری طور پر قبول کیا ہو۔ پھر یہ کہ وہ منظم ہو چکے ہوں اور منظم بھی اس درجہ میں کہ "وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو۔ وہ کبھی مشتعل نہ ہوئے ہوں۔ انہوں نے کبھی بھی گالی کا جواب گالی سے نہ دیا ہو۔ یعنی وہ ان مراحل سے بڑی حد تک گزر چکے ہوں جو صبر محض کے عنوان کے تحت سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مکی دور کے حالات کے ضمن میں قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں' کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سختیاں جھیلیں' استہزاء اور تمسخر برداشت کیا' ذہنی و جسمانی تشدد جھیلا' معاشرہ نے اہل ایمان کا بائیکاٹ کیا' شعب بنی ہاشم کی تین سالہ جاں گسل محصوری سے سابقہ پیش آیا' ایمان لانے والے سعید و صالح نوجوانوں کو ان کے خاندان والوں نے گھروں سے نکالا' ان پر معیشت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر کیا گیا' لیکن انہوں نے ان سب کو جھیلتے اور برداشت کرتے ہوئے توحید کا علم ہاتھ میں لئے توحیدی انقلاب اور توحیدی نظام قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کسی ادنیٰ درجہ میں ہی سہی' اُس جماعت کے وابستگان میں بھی ان باتوں کی کوئی جھلک نظر آنا ضروری ہے۔

نکتۂ توحید کی تفسیر

توحید کی بنیاد پر جو نظام قائم ہوتا ہے صرف اور صرف وہی نظامِ عدل و قسط کہلانے کا

استحقاق رکھتا ہے۔ یہ نظام توحید ہی سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات قائم کرتا ہے۔ یعنی نسل، رنگ، زبان، پیشہ اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی بلند و اعلیٰ ہوتا ہے نہ کوئی کم تر و پست۔ پھر مرد و عورت کے منصفانہ طور پر حقوق اور فرائض کو متعین کرتا ہے۔ معاشی سطح پر یہ نظام ملک کے ہر شہری کی ناگزیر بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کا ذمہ دار ریاست کو قرار دیتا ہے۔ آجر و مستاجر (مزدور و کارخانہ دار) کے درمیان عدل و انصاف اور اخوت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ جاگیرداری کی لعنت کا مکمل خاتمہ کرتا ہے۔ اس نظامِ توحید میں سیاسی سطح پر حاکمیت مطلقہ صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ ملک کی پارلیمنٹ یا اسمبلی ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کے اصول پر شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے دیگر انتظامی و فلاحی اُمور کے لئے قانون سازی کی مجاز ہوتی ہے، لیکن وہ اللہ اور رسولؐ یعنی کتاب و سنت میں بیان کردہ حدود و تعزیرات میں ایک شوشہ کے برابر بھی تغیر و تبدل کی مجاز نہیں ہوتی۔

اقدام کا مرحلہ

سوال یہ ہے کہ اگر ایک اسلامی تحریک مختلف مراحل سے گزر کر اقدام کے مرحلہ تک آ گئی تو بحالات موجودہ اقدام کی صورت کیا ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اقدام کے بغیر نظام نہیں بدلے گا۔ بیٹھے رہیں گے تو وہ نظام خود بخود تبدیل نہیں ہوگا۔ اس موقع پر یہ بات بھی گرہ میں باندھ لیجئے کہ محض وعظ و نصیحت سے بھی ہرگز ہرگز کوئی نظام تبدیل نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس فاسد نظام میں چند نیک، صالح باکردار اور متقی لوگوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نظام کی تبدیلی کے لئے اقدام ناگزیر ہے، اس کے بغیر انقلاب نہیں آتا۔

مسلح بغاوت کی شرعی حیثیت

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض حضرات کے ذہنوں میں جو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کسی مسلمان حکمران کے خلاف مسلح اقدام کی شریعت میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے تو یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اگرچہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن یہ بات بھی متفق علیہ نہیں ہے کہ کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں کسی مسلمان حکمران کے خلاف خروج نہیں ہو سکتا یا بغاوت

نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس بات کو تسلیم کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ فُسّاق و فجّار کی حکومت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ جو فاسق و فاجر ایک بار مسلط ہو گیا تو پھر اس کا یہ تسلط دائمی ہو گا اور سوائے زبانی و کلامی نصیحت کرنے یا خاموش رہنے کے کوئی عملی اقدام کرنے کا حق اور اختیار باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ اکثر حالات میں تو زبان پر بھی پہرے بٹھا دیئے جائیں گے کہ تنقید تو کجا' دلسوزی' ہمدردی اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے پر بھی زبان بندی کر دی جائے گی۔ ایسی صورت میں ظاہر بات ہے کہ وہ تسلط ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اس سلسلہ میں غور کا مقام ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے حکومت کے خلاف جو اقدام فرمایا' تو ایک لمحہ کیلئے بھی یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ ان حضرات گرامی کا اقدام خلافِ شریعت تھا یا وہ کوئی ناجائز کام کر رہے تھے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!

حضرت حسین بن علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اقدامات ان حضرات کی اجتہادی غلطی تو ہو سکتی ہے' اس میں خطا کا امکان ہو سکتا ہے' لیکن اسے ناجائز کام یا ہوس اقتدار ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس بات کا شائبہ بھی دل میں آ گیا تو عدالت خداوندی میں لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ یہی معاملہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی رائے کے متعلق کہا جائے گا کہ اگر انہوں نے ان حضرات کو اقدام کرنے سے روکا اور یزید کی بیعت کر لی تو یہ ان کی اجتہادی رائے ہے جس میں خطاء کا امکان ہے' لیکن اس کو بھی حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دو انتہاؤں کے درمیان میں ہمارے سلف و خلف کے علمائے ربانی کی رائے یہی ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ناپسندیدہ مسلمان حکومت کے خلاف خروج کی دین میں گنجائش موجود ہے۔ تب ہی تو ان دونوں بزرگوں نے اقدامات کئے۔ البتہ اقدام کے مرحلے پر یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے لئے موقع و محل بھی مناسب ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق خالص اجتہاد سے ہے' جس میں خطاء و صواب دونوں کا برابر امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے کہ مسلمان حکمران کے خلاف خروج اور بغاوت سرے سے ہو ہی نہیں سکتی۔

خروج کے بارے میں احناف کا موقف

ہمارے اس ملک میں بسنے والے سنی مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت حنفی المسلک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج ہو

سکتا ہے۔ البتہ اس کے لئے شرائط بڑی کڑی ہیں۔ امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید بھی کی تھی اور ان کو مالی اعانت بھی فراہم کی تھی جنہوں نے بنو عباس کی حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ البتہ امام صاحب نور اللہ مرقدہ بنفس نفیس میدان میں نہیں آئے تھے۔ تاریخ کی تمام مستند کتابوں میں ان باتوں کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا دینی اور شرعی اعتبار سے ایسا معاملہ نہیں ہے کہ کسی حال اور کسی صورت میں بھی کسی فاسق و فاجر حکمران کے خلاف خروج یا بغاوت نہ کی جا سکے۔ البتہ فقہائے احناف نے اس کے لئے بڑی کڑی شرائط لگائی ہیں۔

ایک شرط تو یہ ہے کہ حکمرانوں کی طرف سے کھلم کھلا اور برملا کسی ایسی بات کا ظہور ہو رہا ہو جو خلافِ اسلام ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر شراب پی رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن اگر وہ شراب نوشی کی ترویج کر رہا ہو' لوگوں کو اس کے استعمال کی ترغیب و تشویق دے رہا ہو تو معاملہ مختلف ہو جائے گا۔ ایسے حکمران کو معزول کرنے کے لئے قوت فراہم کرنا اور خروج کرنا بالکل جائز اقدام ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لئے جو لوگ اُٹھیں ان کی طاقت اور ان کے اثرات اتنے زیادہ ہو چکے ہوں کہ وہ یقین رکھتے ہوں کہ ہم تبدیلی برپا کر دیں گے۔ یہ نہیں کہ تھوڑی سی طاقت کے ساتھ تصادم کا آغاز کر دیں' جس کا نتیجہ بدامنی کی صورت میں ظاہر ہو اور وہ لوگ ختم ہو کر رہ جائیں۔ بلکہ صورت یہ ہونی چاہئے کہ بحالات ظاہر یہ امید واثق ہو کہ ہم نظام کو بدل سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کر دیں اور نظام جوں کا توں قائم رہے۔ تو یہ ہے اس مسئلہ کی خالص دینی اور شرعی حیثیت۔

ایک قابل لحاظ نکتہ

موجودہ دور میں بالفعل یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ اب خروج و بغاوت کا امکان ہی موجود نہیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں باقاعدہ تنخواہ دار فوجیں (Standing Armies) نہیں ہوتی تھیں۔ اگر ہوتی بھی تھیں تو بہت کم۔ جبکہ آج کل قریباً ہر حکومت کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اور منظم فوجیں موجود ہوتی ہیں۔ ثانیاً اُس دَور میں جس نوع کا اسلحہ فوجوں کے پاس ہوتا تھا قریباً اسی نوع کا عوام کے پاس بھی ہوتا تھا۔ اس میں مقدار کا فرق تو ہو سکتا ہے' لیکن وہی تلواریں' وہی نیزے' وہی تیر' وہی ڈھالیں جو فوج کے پاس ہیں

وہی عوام کے پاس بھی ہیں۔ تو اُس زمانہ میں نسبت و تناسب کا کوئی نہ کوئی معاملہ موجود تھا۔ لیکن اب جو تمدن کا ارتقاء ہوا ہے تو یہ صورت باقی نہیں رہی ہے۔ حکومت کے وسائل' اس کی طاقت' اس کی فوجیں اور اسلحہ کے معاملہ کی نوعیت بالکل بدل چکی ہے۔ چنانچہ اب سرے سے کوئی نسبت و تناسب موجود ہی نہیں ہے۔ حکومتی افواج نہ معلوم کس کس نوعیت کے اعلیٰ اور جدید ترین اسلحہ سے لیس ہیں اور اس طرح حکومت ایک قوی ترین ادارہ بن چکی ہیں' جبکہ عوام قریباً بالکل نہتے ہیں۔ تو یہ فرق و تفاوت اتنا عظیم ہے کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا خروج اور بغاوت بحالاتِ موجودہ تقریباً خارج از بحث ہو چکی ہے ـــــ شرعی اعتبار سے نہیں' حالات کے اعتبار سے اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایک اہم سوال

ان تمام تنقیحات کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ بحالاتِ موجودہ اس چھٹے مرحلہ کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟ اس کا متبادل (alternate) کیا ہو گا۔؟ اس سوال کے براہِ راست جواب سے قبل ضروری ہے کہ دو اہم امور کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

تمدنی ارتقاء سے پیدا شدہ دو اہم تبدیلیاں

تمدنی ارتقاء نے یہ شکل پیدا کی ہے کہ حکومت کے پاس قوت اور طاقت بے انتہا ہوتی ہے۔ فوج اس کی پشت پناہ ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھئے کہ بات پاکستان کی نہیں ہو رہی بلکہ علمی اور اصولی نقطہ نظر سے ہو رہی ہے۔ آخر یہ مسئلہ شام میں بھی تو درپیش ہے' جہاں الاخوان المسلمون نے اسلام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے' لیکن مقابلہ کس سے ہے؟ حافظ الاسد کی حکومت سے' جس کے پاس جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے' جس کے پاس ہر طرح کے ذرائع و وسائل موجود ہیں اور جس کی پشت پر روس جیسی سپرپاور موجود ہے۔ لہٰذا الاخوان المسلمون کچلے جا رہے ہیں اور ان کی مسلح جدوجہد دم توڑ چکی ہے۔ پھر سوچئے کہ اسی طرح کا مسئلہ افغانستان میں ہو رہا ہے یا نہیں؟[1] کارمل بظاہر مسلمان ہے۔ آج تک تو نہیں سنا گیا کہ اس کی تکفیر کی گئی ہو۔ اس اس کے ساتھ جو افغانی فوج ہے' وہ سب کے سب بہرحال مسلمان ہیں' مسلمان ماؤں کا دودھ پیئے ہوئے ہیں۔ لیکن

---

(۱) واضح رہے کہ یہ خطاب دسمبر ۸۴ء کا ہے۔

چونکہ فوج کا جدید تصور یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ اقتدار میں ہو یا کسی طرح اقتدار میں آجائے تو فوج اس کا حکم مانے' اس کو تحفظ فراہم کرے۔ کتنا دکھ ہوتا ہے جب خبریں آتی ہیں کہ اتنے کارمل فوجی مجاہدین کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مجاہدین' اسلام کے لئے' حریت کے لئے اور خدا ناآشنا بلکہ خدا دشمن روسی جارحیت کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی کامیابی پر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس میں دکھ کا یہ پہلو موجود ہے کہ ہلاک ہونے والے بھی تو مسلمان ہیں۔ وہ ایک حکومت کے حکم کے تحت جنگ کر رہے ہیں۔ دونوں طرف سے مسلمانوں ہی کا خون بہہ رہا ہے۔ روسی فوج کے لوگ تو کارمل فوج کی نسبت کم ہی مرے ہوں گے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مسلمان ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہر ملک کے علیحدہ علیحدہ مسائل ہیں۔ چنانچہ ہمیں پاکستان کے حالات کو ایک طرف رکھ کر اصولی طور پر بات سمجھنی ہوگی۔

جہاں تمدنی ارتقاء نے حکومت کے ہاتھ میں بے پناہ قوت فوج کی شکل میں دے دی ہے وہاں اس تمدنی ارتقاء کی بدولت دو اہم تبدیلیاں اور بھی آئی ہیں۔ دینی مزاج کے ہمارے اکثر لوگ ان تبدیلیوں سے واقف نہیں ہیں۔ چنانچہ راقم جب اسلامی انقلاب کے چھٹے مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کی بات کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اور میری تنظیم پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کوشاں ہے تو وہ چونک جاتے ہیں کہ یہ لوگ تو مسلح بغاوت کی بات کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑوانا چاہتے ہیں' حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ جب سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے فلسفۂ انقلاب اخذ کیا جائے گا اور حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے معروضی مطالعہ سے انقلابِ محمدیؐ کے مراحل و مدارج کے تعین کی کوشش کی جائے گی تو لامحالہ چھٹے اور آخری مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کا ذکر آئے گا۔ البتہ راقم نے اس موضوع پر جب بھی اظہارِ خیال کیا ہے تو ان متبادل طریقوں کا بھی ذکر کیا ہے جو تمدن کے موجودہ ارتقاء نے دُنیا کو دیئے ہیں۔

ریاست اور حکومت کا فرق

انسانی تمدن کے بتدریج ارتقاء کے نتیجہ میں دوسری اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی ہے کہ آج کے دور میں "ریاست" اور "حکومت" دو علیحدہ علیحدہ چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں جبکہ آج سے دو سو سال قبل یہ صورت حال موجود نہیں تھی۔ صرف "حکومت" ہی کا وجود تھا'

ریاست" کا کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ ادھر کوئی شخص حکومت کے خلاف کھڑا ہوا ادھر اسے فوراً باغی گردان کر گردن زدنی قرار دے دیا گیا۔ لیکن یہ صورت حال اس دور میں بدل چکی ہے۔ انسانی فکر اور انسانی تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کے تحت اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ "ریاست" ایک بالکل علیحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات کو چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ کسی ملک کے رہنے والے دستوری اور آئینی طور پر درحقیقت "ریاست" کے وفادار ہوتے ہیں' حکومت کے نہیں۔ حکومت کی اطاعت تو وہ کرتے ہیں' لیکن دراصل جس شے کو وفاداری کہا جاتا ہے وہ "ریاست" کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ پاکستان ایک ریاست ہے۔ اس کو چلانے والی ایک حکومت ہے جو اس ریاست کا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ یہ حکومت بدلتی رہتی ہے' آج کسی کی ہے تو کل کسی اور کی۔ کبھی سول حکومت ہے تو کبھی فوجی' کبھی ایوب صاحب کی تھی' کبھی یحییٰ صاحب کی' پھر بھٹو صاحب آئے اور ان کے بعد مسندِ اقتدار پر ضیاء الحق صاحب متمکن ہوئے۔ پس حکومت تو آنی جانی شے ہے۔ جس شے کو دوام ہے' جو چیز تسلسل کی حامل ہے' وہ درحقیقت ریاست ہے' لہٰذا کسی بھی ملک کے رہنے والوں کی اصل وفاداری ریاست سے ہوتی ہے' حکومت سے نہیں۔

تمدن کے ارتقاء اور فکر انسانی کی وسعت کے نتیجہ میں آج پوری دُنیا میں یہ بات مسلم سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے۔ کوئی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی حکومت مستقل قسم کی حکومت ہے۔ جو بھی کہے گا یہی کہے گا کہ یہ وقتی اور عارضی انتظام ہے' حالات خراب ہو گئے تھے' انتشار ہو گیا تھا' خانہ جنگی کا اندیشہ لاحق تھا' لہٰذا فساد کو روکنے کے لئے یہ فوری نوع کا اقدام بطور فوری علاج کیا گیا ہے' وقتی طور پر حکومت کے انتظام کو فوج نے سنبھالا ہے' ہمارا اس کو مستقل قائم رکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا حکمران جو جمہوری طریقہ سے برسراقتدار آیا ہو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب اس کی یا اس کے خاندان کی اس ملک پر مستقل حکومت رہے گی۔ البتہ جہاں ملوکیت اور بادشاہت (Monarchy) قائم ہے وہاں معاملہ تا حال سابق انداز پر چل رہا ہے کہ وہاں خاندانی حکومتیں قائم ہیں۔ وہاں ریاست و حکومت کا علیحدہ تصور موجود نہیں ہے۔ وہاں کوئی سیاسی جماعت بنانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ جماعت بنی اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ بادشاہ صاحب کو ہٹانے کی کوئی کوشش پیش نظر ہے۔ تو وہ

نظام چند ممالک میں تاہنوز چل رہا ہے۔ "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو" کے مصداق فی الحال ان کا معاملہ ایک طرف رکھئے۔ البتہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا نظام نہیں ہے۔ اس کے گرد جو دیواریں ہیں وہ بہت بوسیدہ ہو چکی ہیں اور گرا ہی چاہتی ہیں۔ اب کوئی دیر کی بات ہے کہ اس کو ختم ہونا ہی ہے اور وہ بات ہو کر رہے گی جو اپنے زوال کے وقت شاہ فاروق نے کہی تھی کہ "دُنیا میں صرف پانچ بادشاہ رہ جائیں گے' چار تاش کے ہوں گے اور ایک انگلستان کا"۔ اس لئے کہ انگریزوں نے بادشاہت کو ایک نمائشی اور آرائشی علامت (Decoration Piece) کی حیثیت سے اپنے یہاں سجا کر رکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ روایت پرستی اس قوم کے مزاج میں رچی بسی ہے لہٰذا وہ روایتی طور پر اس کو نباہ رہے ہیں' ورنہ ساری دُنیا جانتی ہے کہ وہاں اصل اقتدار و اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ بات جان لیجئے کہ ساری دُنیا مانتی ہے کہ ایک ملک کے رہنے والوں کا یہ مسلم حق ہے کہ وہ آئینی و دستوری طور پر حکومت بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ مدت سے قبل (mid-term) نئے انتخابات کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ بالکل استثنائی صورت ہے کہ ہنگامی حالات سے فائدہ اُٹھا کر کوئی جنرل بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اقتدار پر قبضہ کر لے اور رائے دہندگی کے حق کو معطل کر دے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دُنیا میں اس وقت سب سے زیادہ قابل تسلیم بات یہی سمجھی جاتی ہے کہ ملک کے رہنے والوں کو سیاسی جماعتیں بنانے کا حق حاصل ہے اور ہر پارٹی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ موجود الوقت حکومت کو ہٹانے کے لئے اپنی انتخابی مہم چلائے' اس پر دل کھول کر اور تلخ و تند تنقید کرے' رائے عامہ کو اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرے تاکہ حکومت اس پارٹی کی قائم ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ پابندی یہ لگائی جاتی ہے کہ سرکاری ملازم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو کر اس کی انتخابی جدوجہد میں شرکت نہیں کر سکتے اور انتخاب میں بھی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ ریاست کے ملازم اور کارکن ہیں اور ریاست کی طرف سے ان کو کچھ اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی سیاسی پارٹی سے عملاً وابستہ ہوں گے تو ان کے ہاتھ میں جو اختیارات ہیں ان کے غلط استعمال کا اندیشہ ہے۔ باقی رہا ووٹ دینے کا معاملہ' تو ان کا یہ حق برقرار رہے گا' اس پر کہیں کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ عوام

کی رائے سے حکومت میں تبدیلی ہو گی اور اس معاملہ میں سرکاری ملازمین ہی نہیں بلکہ فوجیوں کو بھی حق ہو گا کہ اپنی پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دیں۔ تمدن کے ارتقاء نے یہ متبادل طریقے عطا کئے ہیں' جبکہ اس سے پہلے یہ صورت نہیں تھی۔ ریاست اور حکومت کا تصور گڈ مڈ تھا اور حکومت کو ہی ریاست کا مقام بھی حاصل تھا۔ نیز حکومت کو بدلنے کی کوشش کو بغاوت سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ ریاست اور حکومت دو مختلف تصورات ہیں اور کسی بھی ملک کے باشندوں کو آئینی طور پر یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومت کو بدل دیں۔

خلافتِ راشدہ کے نظام کی نوعیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے مشن کو آگے بڑھانے والا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ ہی کا تو ہے۔ لیکن اس احترام و توقیر کے باوصف ایک بات جان لیجئے کہ اس کے ساتھ دو limitations (محدودیتیں) موجود تھیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ اس وقت بنیادی طور پر عرب میں ایک قبائلی معاشرہ قائم تھا۔ لہٰذا جہاں ایک قبائلی نظام پہلے سے موجود ہو اس میں اگر صرف سردارانِ قبائل سے مشورہ کر لیا جائے' ان کی آراء کو معلوم کر لیا جائے تو گویا ہر قبیلہ کے افراد سے مشورہ کا حق ادا ہو گیا۔ دوسری یہ کہ سرداران کی حیثیت اپنے قبیلہ کے نمائندہ کی ہوتی تھی۔ لہٰذا وہاں رائے دہندگان کی فہرستوں کی تیاری' بیلٹ پیپر اور انتخابات کے کھکھیڑ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں قبائل کے سردار اور بڑے بڑے خاندانوں کے سربراہ ارباب حل و عقد کہلاتے تھے۔ کسی معاملہ میں ان سے مشورہ ہو گیا تو گویا ﴿ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ کا تقاضا پورا ہو گیا۔ جبکہ موجودہ دور میں یہ بات نہیں چل سکتی۔ آپ نے دیکھا کہ اِس دور کے تقاضے کے تحت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جیسے مطلق العنان حاکم کو بھی ریفرنڈم کا ڈرامہ رچانا پڑا۔ اس قسم کی کسی صورتِ حال کا ثبوت آپ کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں تو نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس طرز کا سیاسی نظام جو خلافتِ راشدہ میں قائم تھا' جوں کا توں اس دور میں چل سکتا ہے' ایک مغالطہ ہے۔ اس دور میں حالات کی تبدیلی کے پیشِ نظر ایک ایسا نظام بنانے پر غور کرنا ہو گا جس میں اصول تو وہی رہیں' لیکن طریق کار کو تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

ایک قابل غور بات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو تحریک اُٹھی وہ یقیناً ایک یہودی سازش تھی۔ شروع ہی سے اس کے عزائم مجرمانہ تھے' اس کے اندر نیک نیتی کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نظامِ حکومت میں جہاں بدنیتی کے ساتھ یہ معاملہ ہو گیا' وہاں نیک نیتی کے ساتھ بھی تو یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس امکان کو خارج از بحث نہیں کیا جا سکتا۔ بالکل نیک نیتی کے ساتھ بھی کسی ملک میں ایسی تحریک اُٹھ سکتی ہے کہ موجودہ حکمران ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہیں' انہیں معزول ہونا چاہئے اور ان کی جگہ نئی قیادت کا انتخاب ہونا چاہئے۔ اُس وقت تک ہمارے یہاں اس مقصد کے لئے کوئی ذرائع (Channels) موجود نہیں تھے۔ کوئی راستہ نہیں تھا کہ جس کے ذریعہ سے ایسا اختلافِ رائے سامنے آ سکتا۔ درحقیقت تمدنی ارتقاء نے جو متبادل راستے دیئے ہیں انہی کے ذریعہ اختلاف رائے بھی سامنے آتا ہے اور وہ اختلاف صحت مند انداز میں حل (resolve) بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تمدنی اور فکری ارتقاء نے اختلاف کے اظہار اور ان کو حل کرنے کے جو طریقے اور راستے (Channels) کھول دیئے ہیں اب ہمیں انہی کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے لئے کوئی راہ معین کرنی ہوگی۔

بنیادی انسانی حقوق

تمدنی ارتقاء نے اس بات کو بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک حق قرار دیا ہے کہ ایک شخص اپنی جماعت بنائے اور لوگوں کو اپنی بات کا قائل کرے' زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے اور وہ یہ کام کھلم کھلا اور برملا کرے۔ یہ اس کا آئینی حق ہے' اسے زیر زمین جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پُرامن طریقہ سے ہر پارٹی کو برسراقتدار پارٹی کے خلاف مہم اور تحریک چلانے کا حق پوری دُنیا میں اب تسلیم کیا جاتا ہے۔

ہمارے سوچنے کا کام

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم تمدنی ارتقاء اور اس انقلاب کو سامنے رکھیں جس نے یہ متبادل طریقے دُنیا کو دیئے ہیں کہ آج یہ امکان موجود ہے کہ حزب اختلاف قائم ہو۔ جب تک وہ پارٹی بغاوت نہیں کرتی اور پُرامن طور طریقے اختیار کرتی ہے' کوئی قانون اس کے

خلاف نہیں جائے گا۔ وہ پارٹی تبلیغ کا حق رکھتی ہے' اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کا حق رکھتی ہے' جو لوگ اس کے خیالات کو قبول کریں' انہیں جمع کرنے اور منظم کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اسے اپنے طریق تنظیم کو اپنی صوابدید کے مطابق اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے سربراہ کو صدر کہے' امیر کہے' یا کوئی اور اصطلاح اختیار کرے اسے حق ہے۔ جب تک یہ پارٹی بدامنی اور فساد کی کوئی صورت پیدا نہ کرے' خانہ جنگی کی صورت پیدا نہ کرے اس وقت تک اس کے وہ تمام حقوق مسلمہ ہیں جو ابھی بیان ہوئے۔ ان میں سے کوئی حق بھی سلب نہیں کیا جا سکتا۔

حالات کا دیانت دارانہ تجزیہ

ہمارے معاشرہ میں اسلامی شعائر مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ حج کی اجازت ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بھٹو صاحب کے دور میں بھی ان شعائر سے روکتا تو کوئی نہیں تھا۔ البتہ یہ فضا بڑی حد تک پیدا ہو گئی تھی کہ بھٹو صاحب کی پارٹی کے اکثر کارکن ان چیزوں کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور میں وہ بات نہیں رہی کہ کسی نمازی پر فقرے چست کئے جائیں یا کوئی سرکاری افسر اس بات پر شرمائے کہ وہ اگر کسی فنکشن یا مجلس سے نماز کے لئے اُٹھ کر جائے گا تو لوگ کیا کہیں گے؟ ماحول میں کچھ نہ کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہی سب کچھ ہے؟ ایک شخص کی رائے ہو سکتی ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' بلکہ ہم نے صرف اوپر سے غازہ مل دیا ہے' حقیقت کے اعتبار سے تو یہ کچھ بھی نہیں بدلا۔ یہ محض تصنع ہے جس کے باعث عوام کے اندر اسلام سے بددلی پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے شب و روز تو وہی ہیں جو پہلے تھے' بلکہ بگاڑ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہی سرمایہ دار' جاگیردار اور زمیندار کی حکومت ہے' وہی رشوت کا لین دین دھڑلے سے ہو رہا ہے بلکہ خود سربراہ مملکت کے بقول اس کے نرخ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اسمگلنگ کا کاروبار کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ سود کا لین دین جاری ہے۔ منشیات کی اندرونی و بیرونی تجارت کھلے عام ہو رہی ہے۔ بلیک مارکیٹنگ کا دھندا زوروں پر ہے۔ ڈاکہ' چوری' لوٹ مار' قتل و غارت کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اغوا اور عصمت دری کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ علاقائی قومیتوں کا احساس مزید اُبھر رہا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں جلد ہی یہ بہت سے خوفناک عفریتوں کا روپ نہ دھار لے۔ استحصالی اور جابرانہ نظام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک

طرف حالات کی صحیح تصویر یہ ہے' دوسری طرف اسلام آ رہا ہے' اسلام آ رہا ہے' کے فلک شگاف نعرے لگائے جا رہے ہیں' بلند بانگ دعوے کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ آج کے اور دس بارہ سال قبل کے معاشرہ کا تقابل کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ سرمو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ بحیثیت مجموعی حالات روز بروز بدتر سے بدترین ہوتے چلے جا رہے ہیں' بلکہ ہم نے اس معاشرے پر اوپر کا کچھ غازہ مل کر اور کچھ ظاہری ٹیپ ٹاپ کر کے اسے اسلامی معاشرہ کہہ دیا ہے اور ساری دُنیا میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ کھڑا ہو اور وہ برملا یہ حق بات کہے کہ ہمیں اس دھوکے کا پردہ چاک کرنا ہے اور انقلابی طریق کار پر عمل کرتے ہوئے اس نظام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ صحیح و کامل اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔ ایسے شخص کا دینی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے' اس کے لئے لوگوں کو جمع کرے' انہیں منظم کرے' ان کی تربیت کا انتظام کرے۔ جب تک وہ امن عامہ کی موجودہ صورتحال کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتا' جب تک وہ زبان سے بغاوت کا اعلان نہیں کرتا' اسے یہ کام کرنے کا آئینی و قانونی حق ہے۔ بلکہ یہ اس کے اپنے ایمان کا تقاضا ہے کہ ابتدائی مراحل کو طے کرنے کی سعی و جہد کرے اور انقلاب لانے کے لئے اقدام کرے۔ ان مراحل میں اولاً دعوت کا مرحلہ ہے۔ پھر لوگوں کی تنظیم ہے' پھر ان کی تربیت ہے۔ پھر اس دوران اس پر جو تکلیف آئے اسے جھیلنا ہے۔ اس لئے کہ اسے خود اپنے اوپر اسلام قائم کرنا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے کاروبار کی کافی وسیع و عریض بساط بچھی ہوئی تھی' لیکن وہ اگر آج اسے سود کی آمیزش اور آلودگی سے پاک کرنے کی فکر کرتا ہے تو اس کے کاروبار کی بساط لپٹنی شروع ہو جائے گی۔ اگر کسی شخص کے گھر میں رشوت کے ذریعے سے اللے تللے ہو رہے تھے' آج وہ طے کرتا ہے کہ میں اب رشوت نہیں لوں گا تو اس کے خاندان کو دونوں وقت سادہ ترین غذا بھی شاید بمشکل ملے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے ہی گھر میں صحیح صحیح شرعی پردہ نافذ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی میں نکو بن کر رہ جائے گا اور اس کے اپنے اعزہ و اقارب اسے دیوانہ اور مجنون کہنے لگیں گے اور اس کا مقاطعہ کر دیں گے۔ وہ یہ سب تکلیفیں جھیلے' انہیں برداشت کرے' ان میں سے کسی بھی مصیبت پر جوابی کارروائی کے متعلق نہ سوچے' retaliate نہ کرے۔ کہیں جذبات سے مغلوب ہو کر مشتعل نہ ہو' کسی کو گالی نہ دے' کوئی

ایسا اقدام نہ کرے کہ جس سے امن کا معاملہ درہم برہم ہو۔ یہ ہے اس دور میں ایک سچے مسلمان کی حقیقی تربیت کی کسوٹی۔ آج کلمۂ توحید و رسالت پڑھنے پر مار نہیں پڑے گی' مقاطعہ نہیں ہو گا' گھروں سے نکالا نہیں جائے گا' مجنون اور دیوانہ نہیں کہا جائے گا' تمسخر اور استہزاء نہیں ہو گا' بلکہ اِس دور میں اگر کوئی شخص ہزار دانے کی تسبیح لے کر سڑک پر کہیں بیٹھ جائے اور بلند آواز سے کلمہ کا ورد کرے یا "حق ہو' حق ہو" کے نعرے لگائے تو موجودہ معاشرہ ایسے شخص کی بڑی عزت و توقیر کرے گا' اسے پہنچا ہوا بزرگ سمجھے گا' اس کی خدمت اپنے لئے سعادت سمجھے گا۔ لیکن کوئی شخص کاروبار کو سود سے پاک رکھے' انکم ٹیکس کی چوری نہ کرے' رشوت نہ دے' گھر میں صحیح اسلامی پردہ کو نافذ کرے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ اپنے ہی بیگانے بن جائیں گے اور وہ اپنے ہی گھر اور اپنی ہی قریبی سوسائٹی میں نکو بن کر رہ جائے گا۔ اس کا وہ مذاق اڑے گا کہ توبہ ہی بھلی۔

موجودہ دور میں اقدام کی نوعیت

اگر کسی معاشرہ میں انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مرحلہ وار کام ہو رہا ہے' دعوت و تبلیغ کا مرحلہ درپیش ہے' تنظیم کا مرحلہ چل رہا ہے' تربیت کا مرحلہ طے ہو رہا ہے' اس سلسلہ میں جن تکالیف و مصائب سے سابقہ پیش آ رہا ہے انہیں جھیلا جا رہا ہے اور آئندہ بھی جھیلنے کا عزم ہے تو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ یہ جماعت اتنی مضبوط اور مؤثر ہو گئی ہے کہ اقدام کیا جا سکتا ہے تو اس اقدام اور تصادم کے مراحل کے موقع پر وہ جماعت کیا کرے گی۔؟ اس کے اقدام کی نوعیت کیا ہو گی؟ اسی مسئلہ سے بات شروع ہوئی تھی۔ جان لیجئے کہ اس کے لئے ہمیں تمدن کی موجودہ ارتقائی صورت حال نے کچھ متبادل طریقے دیئے ہیں۔

اب اسلامی انقلاب کے لئے اقدام کا واحد راستہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی تنظیم وجود میں آجائے جو پہلے چار مراحل یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' اور صبر محض سے گزر چکی ہو تو وہ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے (یعنی حکومت) کے مقابلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے اور صرف زبانی و کلامی بات کرنے کے بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے' یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہو گا۔ پھر اس پر ڈٹ

جائے اور ہر نوع کی مالی و جانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔ البتہ اس اقدام میں اس بات کا التزام و لحاظ ضروری ہوگا کہ انہی منکرات کو چیلنج کیا جائے جو تمام مسالک کے ماننے والوں کے نزدیک مسلم ہوں۔ کسی مسئلہ میں اگر کسی کی شاذ رائے ہو کہ وہ منکر ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر تمام مسالک کے لوگوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس پر کوئی تحریک ہی برپا کی جاسکتی ہے۔ ہدف اس کام کو بنانا ہوگا جو سب مسلمانوں کے نزدیک منکر ہو' جو سب کے نزدیک حرام ہو۔ مثال کے طور پر بے حیائی' عریانی' تبرج جاہلیہ' مرد و عورت کے مخلوط اجتماعات' عورت کی بطور اشتہار تشہیر اور یوم پاکستان اور یوم استقلال کے مواقع پر افواج پاکستان کے ساتھ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نوجوان معنوی بیٹیوں کی سڑکوں پر مَردوں کے سامنے سینہ تان کر پریڈ۔ یہ سب وہ خلافِ شریعت امور ہیں جن کے منکر ہونے کے بارے میں تمام مذہبی مکاتب فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الغرض موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلاف شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سی صورتوں سے دُنیا کو روشناس کرایا ہے جن میں پکٹنگ (Picketing) یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا' احتجاجی طور پر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لئے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔

اقدام کی لازمی شرائط

البتہ اس موقع پر ان شرائط کا اعادہ ضروری ہے جن کو اس اقدام یعنی مظاہروں اور دیگر احتجاجی طور طریقوں کو اختیار کرنے کی صورت میں ملحوظ رکھنا لازم ہے ـــــ یعنی اپنی طرف سے ہاتھ بالکل نہیں اُٹھانا ہے' کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہیں کرنی ہے' قریباً بارہ تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں صبر محض (Passive Resistance) کا جو معاملہ رہا ہے کہ ہر قسم کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس پامردی سے برداشت کیا ہے' اپنی طرف سے جوابی کارروائی تو درکنار مدافعت تک نہیں کی' وہی طرز عمل اس اقدام یعنی مظاہروں' گھیراؤ وغیرہ کے معاملہ میں اس انقلابی جماعت کو اختیار کرنا ہوگا۔ ان کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہوگا کہ احتجاجی جلوس تو ہم نے نکالا تھا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا۔ اگر ایسی انقلابی جماعت کے اثرات اتنے نہیں ہیں کہ وہ عوام کو پُرامن رکھ سکے اور نہ اس کے پاس ایسے کارکن ہیں جو عوام کو کنٹرول کر سکیں اور ہر نوع کی بدامنی کو قابو میں رکھ سکیں تو ایسی صورت میں اس

تنظیم کو مظاہروں کا حق نہیں ہے۔ اس اقدام کا مرحلہ اسی وقت آئے گا کہ جب اس انقلابی جماعت کو اپنی امکانی حد تک یہ اندازہ ہو جائے اور یہ معلومات حاصل ہوں کہ ہمارے اپنے زیر اثر اور ہمارے تربیت یافتہ لوگ اتنے ہیں کہ وہ پُرامن طریق پر سڑکوں پر آ کر مظاہرے کر سکتے ہیں اور ان کی اخلاقی ساکھ اتنی مضبوط ہے کہ ان کے مظاہروں کے دوران بدامنی کا کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔ اور اگر چند شرپسند لوگ بدامنی پر اتر ہی آئیں تو ان کی تنظیمی طاقت اتنی مضبوط ہو کہ وہ ان اشرار کی گردنیں خود دبوچیں اور ان پر قابو پا کر انہیں حکومت کے حوالے کریں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں' یہ تخریب کار عناصر ہیں' جو اس پُرامن اور عدم تشدد کی اسلامی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے آ گئے ہیں۔ اس انقلابی تنظیم کے تربیت یافتہ جلوس نہ بسوں کو جلائیں گے' نہ نیون سائن اور ٹریفک سگنلز توڑیں گے' نہ ہی وہ نجی یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچائیں گے۔ ان جلوسوں اور مظاہروں کا مطالبہ یہ ہوگا کہ فلاں فلاں کام شریعت کی رو سے منکر ہیں' حرام ہیں' ہم ان کو کسی حال میں نہیں ہونے دیں گے۔ حکومت گرفتار کرے تو مظاہرین کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔ لاٹھی چارج کرے تو اسے جھیلیں گے۔ آنسو گیس کے شیل برسائے تو برداشت کریں گے۔ حتیٰ کہ گولیاں برسائے تو خوشی خوشی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ لیکن نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ اپنے موقف کو چھوڑیں گے۔

یہاں بعض حضرات کو یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے اور بعض حضرات دانستہ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ یہ تو حکومت وقت کے خلاف بغاوت اور مسلح تصادم کی بات ہے' حالانکہ انقلابی طریق کار کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں ہے کہ مسلح بغاوت اور تصادم ہو' بلکہ موجودہ دور میں یہ بات قریباً خارج از بحث ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو سابقہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی حکومت سے ہے جو قانوناً مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ثانیاً یہ کہ حکومت کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے' جبکہ عوام الناس نہتے ہیں' لہٰذا ان دونوں اعتبارات سے فی زمانہ مسلح تصادم اور بغاوت کے راستے معدوم کے درجے میں آتے ہیں۔ چنانچہ اب سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس سے دور جدید کے تمدنی ارتقاء نے لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ آج عوام عدم تشدد کے اصول پر پُرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور اپنی قوت کا اظہار کرتے ہیں اس کے لئے ہمیں

قرآن وحدیث سے جو رہنمائی ملتی ہے اسے میں "نہی عن المنکر بالید" سے تعبیر کرتا ہوں۔

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

قرآن سے رہنمائی

نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ یعنی ہر دور میں اس سے انسان کو ہدایت ملتی رہے گی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں' جیسے جیسے انسانی ذہن اور تمدن کا ارتقاء ہوگا' یہی قرآن انسان کی انگلی پکڑ کر لے چلے گا اور ہر ہر مرحلہ پر ہدایت دے گا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں نہی عن المنکر پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے۔ جبکہ دعوت کا حکم اتنے زور شور کے ساتھ قرآن مجید میں نہیں ملے گا۔ آپ کو ﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ..... ﴾ یا ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ..... ﴾ والی آیات مل جائیں گی۔ قرآن مجید میں عام مسلمانوں کے لئے تبلیغ کا حکم ملے گا ہی نہیں۔ وہاں تو تبلیغ کا حکم صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے آیا ہے : ﴿ یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ وہ تو نبی اکرم ﷺ نے اسے تمام اہل ایمان کے لئے عام کیا ہے کہ ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً)) "پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت"۔ البتہ قرآن مجید میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بہت سی آیات ہیں۔ بلکہ بعض آیات میں نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت سامنے آتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :

۱) سورۃ النحل کی وہ آیت جو اکثر خطباتِ جمعہ کے آخر میں پڑھی جاتی ہے' اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے کہ وہ خود یہ کام کرتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۚ ﴾ (النحل : ۹۰)

"اللہ عدل' احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے"۔

۲) سورۂ لقمان میں وارد شدہ حضرت لقمان کی نصیحتوں میں اس کا بڑے شد و مد سے بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی نصائح کا قرآن مجید میں ذکر فرما کر ان کو دوام عطا

فرمادیا ہے۔ ان نصائح میں یہ بھی ہے :

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾

"اے میرے پیارے بچے! نماز قائم رکھ، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روک۔ اور اس کام کی انجام دہی میں جو بھی تکلیف و مصیبت آئے اسے برداشت کر۔ یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

۳) سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں نبی اکرم ﷺ کی جہاں بہت سی شانیں بیان ہوئی ہیں وہاں یہ بھی ہے ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ یعنی خود رسول اللہ ﷺ کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ آپ معروف کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔

۴) بنی اسرائیل پر ایک فردِ قرارداد جرم تو وہ ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع سے شروع ہو کر دسویں رکوع پر ختم ہوتی ہے۔ مزید برآں مختلف مقامات پر ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں ان میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق اس لئے بھی بنے کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ ان آیات میں یہ بات غور طلب بات ہے کہ پورا زور نہی عن المنکر پر ہے۔ یعنی بدی کو نہ روکنا اور اس فریضہ کو ترک کر دینا امر بالمعروف کو چھوڑ دینے کے مقابلہ میں زیادہ بڑا جرم ہے۔ اس لئے کہ منکرات کا فروغ ہی وہ شے ہے جس سے معاشرے میں گندگی اور فساد پھیلتا چلا جاتا ہے اور ماحول اتنا خراب ہو جاتا ہے کہ اس میں امر بالمعروف بے اثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۳ میں فرمایا :

﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

"کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش (صوفیاء) اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔ بہت ہی بُرے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔"

۵) اسی سورہ کی آیت ۷۹ میں فرمایا :

﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"(یہ رہبان و احبار وہ لوگ ہیں کہ) جب ان کے یہاں منکر پر عمل ہو رہا تھا تو وہ اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ کیا ہی بُری روش تھی جس پر وہ چل رہے تھے"۔

لہٰذا یہ بھی برابر کے مجرم ہیں اور پاداش میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

۶) سورۃ الاعراف میں (آیت ۱۶۳ سے لے کر ۱۶۶ تک) یہود کے اس قبیلہ کا ذکر ہے جس کا پیشہ ماہی گیری تھا۔ سبت (ہفتہ) کا دن ان کے ہاں صرف اللہ کی عبادت کے لئے مختص تھا اور اس دن ان پر مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا۔ ان لوگوں کو حکم عدولی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے یہ آزمائش آئی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں کنارے پر آکر سطح آب پر خوب اٹھکیلیاں کرتی تھیں اور باقی دنوں میں غائب رہتی تھیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ چنانچہ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ ہفتہ سے ایک دن پہلے (جمعہ کے دن) کناروں پر دریا کا پانی کاٹ کر حوض بنا لیتے اور جب مچھلیاں ہفتہ کے دن ان کے بنائے ہوئے حوضوں میں آجاتیں تو نکاسی کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تاکہ اس حیلہ کی بناء پر ہفتہ کو شکار کرنے کا الزام ان پر نہ آئے۔ اس حیلہ سازی اور مکاری کے ضمن میں اس قبیلہ کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو یہی حیلہ ساز لوگ تھے جو دھڑلے کے ساتھ اس گناہ میں ملوث تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو اگرچہ اس حیلہ سازی اور نافرمانی میں شریک نہیں تھے لیکن ان کو اس سے روکتے بھی نہیں تھے۔ جبکہ تیسرے وہ لوگ تھے جو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے سے اور اس حیلہ سازی سے منع کرتے تھے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ مسلسل ادا کرتے رہتے تھے۔ درمیانی قسم کے لوگ اس مؤخر الذکر گروہ سے کہتے کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے' تو وہ جواب میں کہتے: ﴿مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ "(ہم انہیں اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ) تمہارے رب کے حضور میں معذرت پیش کر سکیں اور اس لئے بھی کہ شاید وہ لوگ تقویٰ کی روش پر آجائیں' (نافرمانی اور سرکشی سے باز آجائیں)" ان تینوں گروہوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ "ہم نے عذاب سے بچایا ان کو جو روکتے تھے اس بُرے کام سے" ـــــ یعنی درحقیقت نجات کے مستحق وہی لوگ بنتے ہیں جو لوگوں کو بدی سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ بدی سے صرف خود رُکے رہنا نجات کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ جو لوگوں کو بدی سے روکتے نہیں ہیں وہ بھی ان لوگوں کے مانند گردانے جاتے ہیں جو بدی میں ملوث ہیں۔

۷) اب قرآن مجید میں دیکھیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں اُمت مسلمہ کو کیا ہدایات اور احکام ملے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آیت ۱۱۰)

"تم وہ بہترین اُمت ہو جسے ہم نے نکالا ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو اور تم اللہ پر اپنا ایمان پختہ رکھو"۔

بین الاقوامی سطح پر بحیثیت اُمت یہی تمہاری اجتماعی ڈیوٹی ہے۔

۸) دوسری آیت وہ ہے کہ جس میں اس صورت حال کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ جب اُمت خود مریض ہو گئی ہو' جب خود اسے اصلاح کی ضرورت ہو تو ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے؟ اس کا حل آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں پیش کیا گیا ہے :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

"اور چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی موجود رہے جو نیکی کی طرف بلاتی رہے' اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔ (جو لوگ یہ کام کریں گے) وہی فلاح پائیں گے"۔

اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملی کہ کچھ لوگ تو ایسے ہوں جو جاگیں' ہوش میں آجائیں۔ وہ مل جل کر ایک "اُمت" بنیں۔ یعنی اُمت کے اندر ایک اُمت بنائیں' جماعت کے اندر جماعت کی شکل اختیار کریں۔ بڑی پارٹی تو وہی ہے یعنی اُمّتِ مسلمہ' چاہے اس کی عظیم ترین اکثریت بے عمل یا فاسق و فاجر ہو' جو بھی کلمہ گو ہے وہ قانوناً اُمّتِ محمد ﷺ میں شامل ہے۔ لیکن یہاں ہدایت کی جا رہی ہے کہ اس بڑی اُمت میں سے ایک چھوٹی اُمت تشکیل پائے جو ان لوگوں پر مشتمل ہو جو خود حق پر چلیں اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کے لئے حق کی دعوت دیں۔ اس آیت کے آخری حصے میں حصر کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کامیابی صرف ان لوگوں کے لئے ہے اور فلاح صرف وہی لوگ پائیں گے جو اِس سہ نکاتی پروگرام یعنی دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی انجام دہی میں تن' من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ اگر ہر شخص کلمہ گو ہونے کے ناطے فلاح کا امیدوار بنا بیٹھا رہے تو اس کی قرآن مجید میں کوئی ضمانت موجود نہیں ہے۔ یہ ضمانت صرف ان کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے

کمر کس لیں اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے تیار ہوں۔

۹) سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ اس سلسلے کی بڑی عظیم اور دلکش آیت ہے۔ اس آیت مبارکہ میں وہ ظاہری و باطنی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار میں درکار ہیں۔ ان میں تین تین اوصاف کے تین سیٹ (sets) ہیں۔ ایک طرف اُن چھ اوصاف کا بیان ہے جو ایک مؤمن صادق کی زندگی میں انفرادی سطح پر مطلوب ہیں۔ دوسری طرف ایک مسلم معاشرہ کا فرد ہونے کے اعتبار سے ایک بندۂ مومن پر جو اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کی ادائیگی کے لئے جو تین اوصاف درکار ہیں وہ بیان ہو گئے۔ اس طرح ایک آیت میں نو اوصاف جمع کر دیئے گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ... ﴾

"(یہ مؤمنین جنہوں نے جنت کے عوض اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے ہیں' عبادت گزار ہیں' اس کا شکر ادا کرنے والے' اس کی ثناء کرنے والے ہیں' (اس کے دین کی خاطر) زمین میں گردش کرنے والے ہیں' اس کے حضور میں رکوع کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں...."

یہ چھ اوصاف وہ ہیں جو انفرادی طور پر ایک بندۂ مومن کے لئے مطلوب ہیں۔ یہ گویا تربیت و تزکیہ کے مراحل ہیں۔ یہ اوصاف ہیں جنہیں علامہ اقبال نے اپنے اس ایک مصرع میں سمو دیا ہے ع بانشۂ درویشی در سازو دمادم زن! یہ چھ اوصاف اگر حاصل ہو گئے تو علامہ اقبال کے بقول اب تم پختہ ہو گئے۔ اب کیا کرنا ہے؟ ع چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!

اور اس آیت مبارکہ کی رُو سے اگلا قدم یہ ہو گا :

﴿ ... اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾

"... نیکی کا حکم دینے والے ہیں' بدی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پس (اے نبیؐ ان) مؤمنین کو بشارت سنا دیجئے۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے والے کہ ہم اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے' ہم منکرات کو کسی طور پر برداشت نہیں کریں گے۔ ان تین آخری اوصاف میں اس مسئلہ کی کلید ہے کہ ایک مسلمان حکومت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے

جو انقلابی جماعت میدان میں آئے گی وہ اسی بنیاد پر آئے گی کہ صرف امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تحفظ حدود اللہ کے لئے پُرامن اور عدمِ تشدد پر مبنی مظاہرے کرے گی' گھیراؤ کرے گی' دھرنا مار کر بیٹھے گی اور ترکِ موالات کے تمام طور طریقے اختیار کرے گی۔

۱۰) اسی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۷ اور آیت ۷۱ میں اہل نفاق اور اہل ایمان کی روش اور طرزِ عمل کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ۶۷ میں منافقین کے رویہ کے متعلق فرمایا :

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ..... ﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہی ہیں' (سب کی ایک ہی روش ہے۔ یہ معاشرہ میں) بُری باتوں اور بُرے کاموں کو ترویج دیتے ہیں' اور خیر اور نیکی کے کاموں کے فروغ کو روکتے ہیں..."

اور آیت ۷۱ میں اہل ایمان کے طرزِ عمل کے لئے فرمایا کہ :

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ... ﴾

"اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہوتے ہیں' نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں . . . "

اب ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ اِس وقت تمام مسلم معاشروں میں جو لوگ مسند اقتدار پر براجمان ہیں اور جن کے قبضے میں ملک کا نظامِ تعلیم' ذرائع ابلاغ اور مملکت کے سارے وسائل ہیں وہ کن خصوصیات کے حامل ہیں۔ وہ فحاشی کے علمبردار' بے پردگی و بے حیائی کے مبلغ اور ہر نوع کی اباحیت کو ماننے والے اور اس کے پرچارک ہیں۔ یہی طبقہ ہے جو شریعت کی حدود اور پابندیوں کو توڑنے کے لئے نہایت منظم طور پر مسلم معاشروں میں مصروفِ عمل ہے۔ اجتماعی زندگی کے تمام شعبے ان کی ترک تازیوں کی جولان گاہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں؟ قانوناً مسلمان ـــــ لیکن سورۃ التوبہ کی آیت ۶۷ میں انہیں منافقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک مسلم معاشرہ کیلئے کھلے کافروں' منکروں اور غیر مسلموں سے کہیں زیادہ خطرناک عنصر ان منافقین کا ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ آستین کے سانپ کا رول ادا کرتے ہیں۔

۱۱) سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں تمکن فی الارض یعنی اللہ کی طرف سے حکومت ملنے کے بعد اہل ایمان کے بنیادی فرائض بیان فرمائے گے :

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ... ﴾

"وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے...."

یہ آیت مبارکہ ایک اسلامی حکومت کے بنیادی و اساسی فرائض کے تعین کے لئے نصِ قطعی کا درجہ رکھتی ہے۔

۱۲) نہی عن المنکر کے بارے میں سورۂ ہود کی آیت ۱۱۶ اور ۱۱۷ پر بھی غور کر لیجئے :

﴿ فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ﴾

"پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم' جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا' ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔"

اس آیت میں سابقہ رسولوں کی اُمتوں کا بیان ہے کہ جب رسولوں کی اُمتیں بگڑتی رہیں اور دین کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں تو ایسی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جاتا اور صرف ان تھوڑے سے لوگوں کو بچالیا جاتا جو نہی عن الفساد کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے۔

مندرجہ بالا متعدد قرآنی آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ہمارے دین کے اندر کس قدر عظیم اہمیت کی حامل شے ہے۔ ان آیات پر غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب اُمت محمد ﷺ میں دین کے احیاء اور دین کو بتمام و کمال قائم کرنے کا مسئلہ آئے گا اور فاسد و استحصالی نظام کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پورے نظام کو توحید کی بنیادوں پر استوار کرنے کا مرحلہ آئے گا تو درحقیقت اقدام کا یہی راستہ ہو گا کہ ایک منظم اور تربیت یافتہ اسلامی انقلابی جماعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تحفظ

حدود اللہ کے لئے پُرامن مظاہروں اور ان تمام طریقوں سے حکومت وقت کو مجبور کردے کہ وہ معروفات کی ترویج کرے، منکرات کا قلع قمع کرے اور حدود اللہ کو نافذ کرے۔ یہ بغاوت کا راستہ نہیں ہے۔ کسی حکومت کے خلاف کھڑے ہو کر اعلانِ بغاوت کرنے اور قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ انقلابی جماعت حکومت کی طالب ہوگی ہی نہیں۔ حقیقی اسلامی جماعت کبھی بھی اقتدار کی طالب بن کر میدان میں نہیں آتی۔ اس کا تو صرف یہ مطالبہ ہوگا کہ جب مسلمانوں کا معاشرہ ہے اور مسلمان ہی حکمران ہیں تو دین کو صحیح شکل میں قائم کرو اور اس کے خلاف جو کچھ ہے اسے ختم کرو۔ نہیں کرتے تو پھر ہم میدان میں موجود ہیں۔ پھر ہمارے سینے حاضر ہیں، گولیاں چلاؤ.... پھر ہمارے سر حاضر ہیں، لاٹھیاں برساؤ.... پھر ہم حاضر ہیں کہ دار و رسن کے حربے ہم پر آزماؤ۔ اس ابتلاء اور امتحان میں ڈٹے رہنا ہے، پیچھے نہیں ہٹنا ہے، کھڑے رہنا ہے۔ اس موقع پر محمد رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو یاد رکھنا ہے جو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو دیا تھا کہ تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہو تو لیٹ جاؤ، مکہ کی گرم اور سنگلاخ زمین پر تمہیں جانور کی طرح گلے میں رسی ڈال کر پیٹھ کے بل گھسیٹا جا رہا ہو تو اُف نہ کرو، ہاتھ مت اُٹھاؤ، تمہیں ابھی جوابی کارروائی کی اجازت نہیں ہے ـــــ موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کا یہی صحیح راستہ ہے اور یہی "صبر محض" اور "پُرتحمل مزاحمت" ہے۔

احادیثِ شریفہ اور فریضہ نہی عن المنکر

قرآن کی طرح احادیث رسول ﷺ میں بھی اس مسئلے پر راہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ صحیح مسلم کی دو حدیثیں پیش ہیں۔ ان پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں ہمیں کامل رہنمائی دے گئے ہیں، ہمیں اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں چھوڑ گئے۔ مکان و زمان کے فرق کو ملحوظ رکھ کر حضور ﷺ کے ان ارشادات سے مختلف مراحل کے لئے ہدایت و رہنمائی اخذ کی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ نیتیں خراب ہوں، عافیت مطلوب ہو، صرف کھانا کمانا پیش نظر ہو، بچوں کی پرورش اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلانا ہی زندگی کا مقصود بن گیا ہو تو محرومی ہے..... لیکن اگر وفاداری اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے ساتھ ہے، جیسے علامہ اقبال مرحوم نے کہا ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی وفاداری اور اس کے رسول ﷺ کی وفاداری آسان کام نہیں ہے۔ اس کیلئے ارادہ پیدا ہو جائے تو جمود و تعطل توڑ کر میدان میں آنا پڑے گا۔

پہلی حدیث کے راوی حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس روایت میں اختصار و ایجاز ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ' وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنے زورِ بازو سے بدل دے۔ اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اسے بُرا کہے اور اسے بدلنے کی کوشش کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (اسے بُرا جانے اور اس پر دلی کرب محسوس کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس کی ہم مضمون دوسری روایت کے آخری ٹکڑے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ((وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ)) گویا ان تین حالتوں میں سے اگر کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے۔

اب خاص طور پر دیکھئے کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ وہ حکم اپنی جگہ قرآن مجید میں ہے' اس کی نفی مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس حدیث میں سارا زور نہی عن المنکر پر ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کا اسلوب دیکھئے' فرمایا کہ ((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ)) جو شخص بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے ہاتھ سے روکے۔ اس لئے کہ یہ صیغہ امر ہے' جو وجوب کیلئے آتا ہے۔ فرمایا ((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ)) اگر طاقت سے روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ کہے تو سہی کہ اللہ کے بندو! باز آجاؤ' اس راستہ پر مت جاؤ' یہ حرام کا راستہ ہے' یہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ ہے' یہ شیطان کا راستہ ہے' یہ طاغوت کا راستہ ہے۔ زبان سے کہے۔ ((فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ)) اگر یہ بھی نہیں کر سکتا' اتنا بھی دم نہیں' اتنی بھی استطاعت نہیں

ہے یا زبانوں پر تالے ڈال دیئے گئے ہیں تو دل میں بدی کے خلاف شدید نفرت تو رکھے۔ اس پر دل میں گھٹن اور کڑھن تو محسوس کرے۔ فرمایا : ((وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ)) اور یہ یعنی صرف دل سے بُرا جاننا' دل میں برائیوں پر کرب محسوس کرنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ عربی زبان میں "اَضْعَفُ" "Superlative Degree" ہے۔ اس سے آگے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اگر دل میں نفرت بھی نہ رہے تو گویا ایمان ہی گیا۔ پھر وہی بات ہوگی جو اقبال نے کہی ہے کہ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جب یہ احساس بھی ختم ہو گیا تو جان لیجئے کہ دل والا حقیقی ایمان بالکل رخصت ہو گیا!

اس حدیث کے مفہوم کے ضمن میں البتہ ایک احتیاط پیش نظر رکھنی اشد ضروری ہے' لوگ عام طور پر غور نہیں کرتے۔ اس حدیث میں جو تین مدارج بیان کئے گئے ہیں وہ اس اعتبار سے نہیں ہیں کہ جو شخص نیچے کھڑا ہے وہ نیچے ہی کھڑا رہے' اور جو شخص درمیانی درجہ میں ہے وہ وہیں رہے۔ بلکہ ایسے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مسلسل کوشش کرے کہ اگر آج طاقت حاصل نہیں ہے کہ منکر کو طاقت سے روک سکے تو طاقت حاصل کرے۔ وہ جو علامہ نے کہا ہے ؎

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

اگر آپ نہی عن المنکر اعلیٰ اور بلند ترین سطح پر کرنا چاہتے ہیں تو وہ طاقت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ چنانچہ اگر طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت فراہم کیجئے۔ اس طاقت و قوت کو فراہم کرنے کی سعی و جُہد کرنا بھی فرض کے درجہ میں ہوگا۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود اتنی جمعیت فراہم نہیں ہو پا رہی کہ منکرات کے خلاف منظم اور پُرامن طور پر طاقت کا مظاہرہ کیا جا سکے تو بہرحال اُس وقت تک زبان سے منکر کو منکر کہنا اور اس کے خلاف زبان سے جہاد کرنا لازم ہے۔ اگر اس کا بھی امکان نہیں ہے تو دل سے نفرت کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ انسان نچلی منزل پر قانع ہو کر بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ یہ وہ نازک ترین مقام ہے کہ اگر ذرا سی بھی چوک ہو گئی اور کسی منکر کے خلاف دل میں نفرت' کراہت اور کرب کے جذبات پیدا

نہیں ہوئے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ یہ تو وہ آخری حد ہے کہ جس سے باہر قدم نکلتے ہی انسان ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

اس حدیثِ مبارکہ کے اسلوب پر غور و تدبر سے یہ لازمی تقاضا سامنے آتا ہے کہ منکر کو مٹانا' اسے بُرا کہنا اور اسے بُرا سمجھ کر اس سے نفرت کرنا ہر مسلمان پر واجب اور فرض ہے۔ سب سے نچلے درجے پر ہرگز قانع نہیں ہونا چاہیئے' بلکہ لازم ہے کہ طاقت حاصل کرنے اور جمعیت فراہم کرنے کے لئے دل و جان سے کوشش کی جائے۔ لوگوں کو تیار کیا جائے کہ منکرات کو مٹانے اور بدلنے کیلئے اپنی جانیں تک دینے کیلئے آمادہ ہوں۔ جب تک طاقت حاصل نہ ہو زبان سے بھی منکر کو منکر کہنے کا عمل جاری رہے۔ صاحبانِ اقتدار کو نرم و گرم طور پر اس طرف متوجہ کیا جاتا رہے۔ اِس دوران دل میں منکرات کے خلاف نفرت پروان چڑھتی رہے تاکہ جب ان کو طاقت و قوت کے ساتھ بدلنے کا مرحلہ آئے تو جذبات میں منکرات کے خلاف جوش و خروش کا طوفان موجزن ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی مسلمان ماحول کے رنگ میں رنگا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی نفرت کم ہو اور پھر ماحول اس پر چھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کل وہ جس کام کو بُرا کہہ رہا تھا اور بُرا سمجھ رہا تھا آج وہ خود اس میں ملوث ہو جائے۔

علماءِ بنی اسرائیل کی اس روش کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے۔ ارشادِ رسالت مآب ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ یہود کے عالموں کا سب سے بڑا جرم ہی یہ تھا کہ جب ان کے اُمراء نے غلط کام کرنے شروع کئے تو ابتداء میں تو علماء نے ان کو ٹوکا کہ شریعت کی رو سے یہ بُرا اور غلط کام ہے' لیکن ان کے ساتھ مجلسی تعلق بھی قائم رکھا اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک نہیں کیا۔ ان امراء کے دسترخوان کی لذتیں ان کو کھینچ کھینچ کر بلاتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ درحقیقت جب تک انسان ایسے لوگوں کے ساتھ مقاطعہ کی روش اختیار نہ کرے۔ اُس وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں پا سکے گا۔ اس بات کا اقرار ہم روزانہ دعائے قنوت میں بایں الفاظ کرتے ہیں "نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" یعنی اے اللہ جو بھی تیرا نافرمان ہوگا اور فاجر و فاسق ہوگا ہم اس سے قطع تعلق کریں گے۔ اسے ہم چھوڑ دیں گے' اس کے ساتھ ہم دلی محبت کا کوئی رشتہ استوار نہیں کریں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی فاسق کے ساتھ چلتا

ہے تاکہ اسے تقویت پہنچائے تو اللہ کے غضب کی وجہ سے عرشِ الٰہی کانپنے لگتا ہے"۔

صحیح مسلم کی دوسری حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ وہ فقہ جسے آج ہم فقہ حنفی کے نام سے جانتے ہیں سلف میں فقہ ابن مسعودؓ کہلاتی تھی۔ اس لئے کہ اس کے اصل بانی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جن کا شمار کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔ وہ کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے شاگرد کے شاگرد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ اس حدیث میں نہی المنکر کے فریضہ کی انجام دہی کے مسئلہ کو نہایت تشریح اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے :

انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي اِلاَّ كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهِ ' ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لاَ يَفْعَلُونَ' وَيَفْعَلُونَ مَا لاَ يُؤْمَرُوْنَ' فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ' وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ' وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))

" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اُمت میں کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے بعد اس کی اُمت میں اس کے حواریوں اور اصحاب نے اس کی سنت کو قائم نہ کیا ہو اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی ہو۔ پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ پس اور جو ان کے خلاف ہاتھ (قوت) سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے (یعنی دل میں انہیں بُرا سمجھے) وہ مؤمن ہے۔ مگر اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے"۔

گویا ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ نبی اور اس کے حواریوں اور اصحاب کے انتقال کے بعد رفتہ رفتہ انحطاط' اضمحلال اور زوال شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں تین ادوار ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر قرون سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ۔ تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ۔ ایسے ادوار کے گزرنے کے بعد انحطاط و اضمحلال

اور زوال کی صورت شروع ہوتی ہے۔ بعد میں آنے والوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا تھا۔ یعنی کہہ کچھ رہے ہیں' کر کچھ رہے ہیں۔ زبان پر اسلام کا اقرار ہے' اس کی مداح سرائی ہے' جبکہ عمل میں اسلام اور اس کے شعائر سے بغاوت ہے' سرکشی ہے' اعراض ہے' روگردانی ہے۔ پھر ان کے افعال و اعمال ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حکم' جن کی کوئی سند ان کے دین میں موجود نہیں ہوتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ایمان کے جو درجات بیان کئے گئے ہیں ان سے ناخلف طبقہ کے خلاف اقدام سے' جو عموماً مسند اقتدار پر متمکن ہوتا ہے' نہایت گہرا تعلق ہے۔ اس حصہ سے ہمیں اقدام کے لئے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔ دل سے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر ایک بندۂ مومن دل کی بے کلی میں مبتلا ہو جائے' وہ ہر وقت کڑھے' اس کی نیندیں حرام ہو جائیں' وہ اپنی بے بسی پر بے قرار اور مضطرب رہے' اس کے دل میں نفرت پروان چڑھتی رہے اور اس کا دل اُس وقت کی جلد آمد کے لئے بے چین رہے کہ جس وقت وہ ایک منظم اسلامی انقلابی جماعت کے ساتھ مل کر نہی عن المنکر کے لئے میدان میں آ سکے اور اپنے جسم و جان اور مال و منال کی قربانی کا نذرانہ پیش کر سکے۔ یا اگر اس میں صلاحیت و اہلیت ہے تو وہ خود کھڑا ہو اور ایسی انقلابی جماعت قائم کرنے کی سعی و جہد کرے۔

اس حدیث کا آخری حصہ جس کا حوالہ اوپر حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں دیا گیا' نہایت لرزا دینے والا ہے۔ اس کو سن کر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ ایسے شخص کے ایمان کی رسول اللہ ﷺ نفی فرما رہے ہیں جس کا دل بھی منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر بے قرار' مضطر اور بے کل نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے بارے میں کونین کے مفتی اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ آخرت میں وہ لوگ کس مقام پر کھڑے ہوں گے جو اس دنیا میں قانوناً مسلمان اور مدعیٔ ایمان تھے اور مسند اقتدار پر بیٹھے منکرات کو فروغ دے رہے تھے۔ ان مدعیانِ ایمان کا کیا حال ہوگا جو ذرائع ابلاغ پر قابض تھے اور ان کو منکرات کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کر رہے تھے؟ وہ لوگ کس حالت اور عالم میں ہوں گے جو حکمرانی کے بل بوتے پر منکرات کی سرپرستی کر رہے تھے اور ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کرنے

کے باعث بن رہے تھے جس میں معروفات سسک رہے تھے اور منکرات کے فروغ کے باعث معاشرہ سنڈاس بن رہا تھا۔

سورۃ الاعراف میں مذکور اصحابِ سبت کے واقعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا کہ جب کسی قوم کی بداعمالیوں کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو اس سے صرف وہ لوگ بچ پاتے ہیں جو دوسروں کو بداعمالیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اس حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے ایک تمثیل کے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ عرشہ پر سوار ہیں' کچھ لوگ نچلی منزل میں ہیں۔ نیچے والوں کو جب پانی لینا ہوتا ہے تب وہ اوپر آتے ہیں' جس سے عرشہ پر مقیم لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ پانی برتنوں سے چھلک بھی جاتا ہوگا۔ عرشہ والے ان لوگوں کے اوپر آنے جانے پر ناک بھوں چڑھاتے ہوں گے۔ چنانچہ نیچے والوں نے سوچا کہ اوپر سے پانی لانے کے کام کو چھوڑیں' ہم ان کو کیوں ناراض کریں' ہم نیچے جہاز کے پیندے میں سوراخ کر لیتے ہیں' یہیں سے پانی لے لیا کریں گے۔ اب اگر اوپر والے ان نیچے والوں کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو جہاز ڈوب جائے گا اور اس طرح صرف نیچے والے ہی نہیں' اُوپر والے بھی ڈوبیں گے۔ گویا جو لوگ غلط کام اور بدی سے روکتے نہیں ہیں انجام کار کے اعتبار سے وہ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں جو بدی میں خود ملوث ہیں۔ اس مثال سے بھی واضح ہوا کہ اصل میں نہی عن المنکر ہی وہ شے ہے جو انسان کو نجات کا حق دار بناتی ہے۔

خلاصۂ بحث

مسلم شریف کی متذکرہ بالا جو دو روایتیں تشریح و توضیح کے ساتھ بیان ہوئیں' ان کو سامنے رکھ کر غور کیجئے۔ ان دونوں احادیث کو ہمارے پیشِ نظر مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کلید کی حیثیت حاصل ہے۔ اب راستہ یہ ہے کہ کسی مسلمان ملک میں دین کو اس کی کامل شکل میں قائم و نافذ کرنے کے لئے کوئی تحریک اُٹھے۔ اس تحریک کے وابستگان خود اپنی انفرادی زندگیوں پر دین کو نافذ کر چکے ہوں' تربیت اور تزکیہ کے مراحل طے کر چکے ہوں' انہوں نے حرام کو بالفعل ترک کیا ہو اور سنّت کو انہوں نے عملاً اختیار کیا ہو۔ پھر یہ لوگ منظم ہوئے ہوں' بنیانِ مرصوص بن چکے ہوں' یہ کسی تنظیم کے ساتھ منسلک ہو کر اس کے امیر' کمانڈر اور قائد کے حکم پر ڈسپلن کے ساتھ حرکت کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں'

سمع و طاعت کے عادی ہو چکے ہوں۔ تو اب یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام طاقت کے ساتھ کریں گے۔ یہ کھڑے ہو جائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم منکرات کے کام نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات جان لیجئے کہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے پُرامن طور پر قوت کا مظاہرہ کرنا اب دنیا میں ہر ملک کے رہنے والوں کا تسلیم شدہ حق ہے۔ اگر سیاسی حقوق کے حصول اور بحالی کے لئے' مہنگائی کے خلاف یا کچھ دیگر قومی مسائل کے حل کے لئے مظاہرے کئے جاسکتے ہیں' پکٹنگ اور گھیراؤ کیا جاسکتا ہے تو دین نے جن کاموں کو منکرات قرار دیا ہے ان کے خلاف مظاہرے کیوں نہیں کئے جاسکتے؟ ان کو چیلنج کیوں نہیں کیا سکتا؟ لیکن یہ مظاہرے پُرامن ہوں گے۔ کہیں فساد نہیں ہوگا' کسی کو تکلیف نہیں ہوگی' قومی دولت کا کوئی ضیاع نہیں ہوگا۔ اس تنظیم کے وابستگان ساری تکلیفیں اپنے اوپر جھیلنے کے لئے تیار ہوں گے' ساری مصیبتیں خود برداشت کریں گے' اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکلیں گے۔ اگر حکومت وقت گولیاں چلائے گی تو اپنے سینے پیش کریں گے۔

اگر یہ معاملہ ہو جائے اور یہ مرحلہ آجائے تو یہ بات جان لیجئے کہ آخر کب تک۔ اس مسلمان ملک کی مسلمان پولیس ان پر لاٹھیاں برسائے گی اور مسلمان فوج کب تک گولیاں چلا کر ان نہتے مظاہرین کو مارے گی جو صرف اللہ کے لئے منکرات کے خلاف نکلے ہوں؟ پھر یہ فوج کتنوں کو مارے گی....؟ یہ بات بھی اچھی طرح جان لیجئے کہ کوئی جابر سے جابر حکمران بھی ایک حد سے آگے نہیں جاسکتا۔

ایران کی مثال

اس کا سب سے بڑا نمونہ ہمارے سامنے شہنشاہِ ایران کا انجام ہے۔ وہ شاہِ ایران جس کے پاس ایشیا کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ تھا' جس کے پاس ساوک جیسی سفاک پولیس تھی' جس کے مقابلہ کی سفاک پولیس کسی کمیونسٹ ملک میں تو شاید موجود ہو۔ باقی دنیا میں اس کے مقابلے کی کوئی پولیس موجود نہیں۔ جس طرح کے مظالم اس ایرانی پولیس نے ڈھائے ہیں اور جس خوفناک قسم کی اذیتیں اس نے انقلابیوں کو دی ہیں' اس کی مثال موجودہ دور کے کسی ملک میں مشکل ہی سے ملے گی۔ لیکن شہنشاہ ایران' جو خود کو "آریہ مہر" کہلواتا تھا اور جو سائرس ثانی بننے کے خواب دیکھ رہا تھا' اس کی ساری طاقت اور سارا دبدبہ ان سرفروشوں کی قربانیوں کے آگے خس و خاشاک کی طرح بکھر کر رہ گیا جو اس کے خلاف مظاہروں کی صورت

میں جان دینے کیلئے سڑکوں پر آ گئے تھے۔ بالآخر اس کی پولیس عاجز آ گئی اور فوج نے ان مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو اپنا ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا اور حد تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد اسے اپنے وطن میں دفن ہونے کیلئے جگہ بھی نہ مل سکی۔ اس کے دوست ملک نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی مہلک متعدی مرض میں مبتلا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جب ایک منظم انقلابی جماعت راہِ حق میں جان دینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اسے ملک کے عوام کی اتنی اخلاقی اور عملی حمایت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کچلنا اور ختم کر دینا آسان نہیں رہتا۔ ایسی جماعت کو بغاوت کا اعلان کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی' نہ اسے ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے' بلکہ اس کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ؏

"جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں"

کوئی طاقت ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔

تین ممکنہ نتائج

اس طریق کار کے تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت اگر ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرے' یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے تو اور کیا چاہیئے؟ ایک منکر کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رہیں گے۔ اس طرح اگر ہم ایک ایک کر کے منکرات کو ختم کراتے چلے جائیں تو اسلامی انقلاب آ جائے گا۔ تبدیلی برپا ہو جائے گی اور پورے کا پورا نظام صحیح ہو جائے گا۔ لیکن جب تک نظام مکمل طور پر اسلامی نہیں ہو گا یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

دوسرا ممکن نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اسے اپنی بقاء' اپنی انا اور اپنے مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنا لے اور طاقت سے اس اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر ذرا ٹھہر کر حکومت وقت کی ماہیت و ہیئت کو سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہوتی ہے۔ ہر حکومت کسی نہ کسی طبقہ کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کے کسی طاقتور طبقہ کے مفادات کی محافظ بن کر بیٹھی ہوتی ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل و قسط ان طبقات کے لئے پیغامِ موت لے کر آتا ہے۔ لہٰذا حکومت وقت کسی ایسی تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں

کرتی جس کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی نظام ختم ہو جائے اور اسلام کا عادلانہ و منصفانہ نظام قائم ہو جائے۔ لہٰذا وہ ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے لئے بے دریغ استعمال کرے گی۔ چنانچہ لاٹھیاں برسیں گی' آنسو گیس کے شیل پھینکے جائیں گے' گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی' گرفتاریاں ہوں گی' دار و رسن کے مراحل آئیں گے۔ لیکن اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان تک دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی؟ فوج کتنوں کو اپنی گولیوں سے بھونے گی؟ اگر تحریک کے کارکنوں نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں' ہمارے ہی اعزہ و اقرباء ہیں' یہ لوگ اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے میدان میں نہیں آئے ہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے قیام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے نکلے ہیں' تو آخر ہم کب تک ان کو اپنی گولیوں سے بھونتے چلے جائیں؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو گی' جیسا کہ ایران میں ہوا کہ شہنشاہ ایران جیسے آمر مطلق کو بھی ایسی صورت حال میں باحسرت و یاس ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا ـــــ تو یہ دو ممکنہ صورتیں تو تحریک کی کامیابی کی ہیں۔

ایک تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی' ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ' ان شاء اللہ العزیز' اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔ یہ واضح رہنا چاہیئے کہ ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مُکلف اور ذمہ دار نہیں ہیں' البتہ اس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ مزید برآں انہی جان نثاروں اور سرفروشوں کے خون اور ہڈیوں کی کھاد سے' ان شاء اللہ' جلد یا بدیر کوئی نئی انقلابی اسلامی تحریک ابھرے گی جو طاغوتی استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی اور اس طرح وہ وقت آ کر رہے گا جس کی خبر الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو کر رہے گا جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔

اقول قولی هذا و استغفر اللّٰه لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات

ایمان واستقامت

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

انتخاب وترتیب : حافظ محمد سلیمان' ایم ایڈ

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝۳۲ ﴾

(حم السجدة : ۳۰-۳۲)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے موجود ہوگی۔ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے"۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۱۳ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۴ ﴾ (الاحقاف : ۱۳-۱۴)

"جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمناک ہوں گے۔ یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اس کا بدلہ (ہے) جو وہ کیا کرتے تھے"۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ

پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے' یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں"۔

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ﴾

(ابراهيم : ۲۷)

"اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ ﴾

(البقرة : ۲۱۴)

"کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں' ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیئے گئے' یہاں تک کہ پیغمبر اور مؤمن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی' دیکھو اللہ کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی) ہے"۔

عن سفيان بن عبدالله الثقفي قال : قلتُ : يا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قُل لي في الاسلامِ قولاً لا اسال عنه احداً بعدَک ' قال : ((قُلْ آمنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) (صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب جامع اوصاف الاسلام)

"حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر میں اس کو آپؐ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپؐ نے فرمایا "تم کہو میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر ثابت قدم رہو"۔

عن البراء بن عازب رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال :

((اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِی القبرِ یشهَدُ اَن لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَنَّ مُحمدًا رسولُ اللّٰه فذٰلِک قولهٗ : ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ﴾)) (صحیح البخاری' کتاب التفسیر' باب قوله یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قبر میں مسلمان سے جس وقت سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں قولِ ثابت سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھے گا"۔

عن البراء بن عازب رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال : ((یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ قال : نَزَلَتْ فِی عذابِ القبرِ یُقَالُ مَن رَبُّکَ فیقول رَبِّیَ اللّٰهُ وَنَبِیِّی مُحَمَّدٌ ﷺ فذلک قولُهٗ عزَّ و جل ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ﴾)) (صحیح مسلم' کتاب الجنة و صفة نعیمها و اهلها' باب عرض المقعد المیت و عذاب القبر)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے ایمان والوں کو پکی بات پر...." قبر کے عذاب کے بارے میں اتری ہے۔ میت سے پوچھا جاتا ہے "تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں" یہی مراد ہے اللہ کے اس قول سے کہ "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات پر دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے"۔

عن انس بن مالک ان رسول اللّٰه ﷺ قال : ((ثلاثٌ مَن کُنَّ فِیه وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الایمانِ : مَن کانَ اللّٰهُ ورَسولهٗ اَحَبَّ الیه مِمَّا سِواهُمَا ' وَاَنْ یُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ یُحِبُّهٗ اِلاَّ لِلّٰه وَاَنْ یَکْرَهَ اَنْ یَعُوْدَ فِی الکُفرِ بَعْدَ اذْ اَنقذه اللّٰهُ کما یکرَه اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ))

(سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب حلاوة الایمان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس میں تین چیزیں ہوں گی' وہ ان کے سبب ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس کو دیگر ہر شے سے زیادہ پیارے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کی (لوگوں سے) دوستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے سے ہو اور تیسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات بخشی ہے تو پھر وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا ہی برا جانے گویا اسے آگ میں ڈالا جا رہا ہے"۔

وعن خبَّابِ بنِ الارت قال شَكَوْنَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وهو مُتَوَسِّدٌ بُردةً فِي ظِلِّ الكعبةِ وقد لقينا من المشركين شِدَّةً' فقلنا: اَلاَ تَدْعُو اللّٰهَ؟ فَقَعَدَ وهو مُحْمَرٌّ وَجْهُهٗ وقال: ((كان الرَّجُلُ فِيمن كان قَبْلَكُم يُحفَر له فِي الارضِ فيُجعل فيه فيُجَاءُ بِمِنشارٍ فيُوضَعُ فَوْقَ رَاْسِهٖ فيُشَقُّ بِاثْنَينِ فما يصدُّهٗ ذٰلِكَ عَن دينه و يُمشَطُ بامشاطِ الحديدِ مَادون لحمهٖ من عظمٍ و عصبٍ وما يصدُّه ذٰلک عن دينه' واللّٰه ليتمن هذا الامر حتّٰى يسير الراكبُ مِن صنعاء الى حضرموت لا يخافُ الا اللّٰهَ اَوِ الذِّئبَ علٰى غنمهٖ ولٰكنَّكم تستعجلون)) (رواه البخاری كذا فی المشكوٰة' كتاب الفتن' باب علامات النبوة)

"حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سایہ کے نیچے کملی رکھے ہوئے لیٹے تھے کہ ہم نے کفار کی شکایت کی اور عرض کیا کہ مشرکوں سے ہم کو سخت تکلیف پہنچی ہے' پھر ہم نے عرض کیا' کیا آپ اللہ تعالیٰ سے (بد) دعا نہیں کرتے؟ یہ سن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کیلئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا تھا' پھر اس گڑھے میں آدمی کو بٹھایا یا کھڑا کیا جاتا تھا اور پھر آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور آرے سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن یہ عذاب اس کو دین سے منحرف نہ کرتا تھا اور (کسی کے جسم) پر لوہے کی کنگھیاں چلا کر ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت نوچ لیا جاتا۔ یہ چیز (بھی) اسے اپنے دین سے نہ ہٹا

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام فروری۔مارچ کے دوران منعقدہ

منہاجِ محمدی کانفرنسیں

ایک اجمالی رپورٹ

مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق

توسیعی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ یکم و دو فروری ۹۹ء کے دوران فیصلہ کیا گیا کہ متحدہ اسلامی محاذ کی تشکیل کے ضمن میں پہلے قدم کے طور پر منہاجِ محمدی کے بارے میں اتفاق رائے کے حصول کے لئے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں منہاجِ محمدی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ فیصلہ ہوا کہ ایسی تمام کانفرنسیں اتوار کے روز صبح کے اوقات میں منعقد کی جائیں یعنی آغاز ساڑھے نو بجے یا دس بجے کے لگ بھگ ہو اور یہ ڈیڑھ بجے یا دو بجے اختتام پذیر ہوں۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مقررین کو موضوع کی مناسبت سے تقریر کرنے پر آمادہ کرنے کی غرض سے دعوت نامہ پہنچاتے وقت مکمل بریفنگ بھی دی جائے اور کتاب منہج انقلاب نبوی کا ایک نسخہ بھی فراہم کر دیا جائے۔ مختلف شہروں میں کانفرنسوں کے انعقاد کے انتظامات اور مقررین حضرات سے رابطہ متعلقہ حلقہ کے ناظم / امیر کے ذمہ لگایا گیا۔ اس ضمن میں پہلی کانفرنس راولپنڈی میں منعقد ہوئی۔

پہلی منہاجِ محمدی کانفرنس۔ بمقام پریس کلب راولپنڈی

۲۱/ فروری (۱۰ بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) محمد خان شیرانی (۲) جنرل (ر) حمید گل (۳) عبدالستار بھٹی (لشکر طیبہ) (۴) محمد اکرم اعوان (۵) مولانا محمد چراغ (۶) پروفیسر محمد افضل۔

کانفرنس کا آغاز ٹھیک وقت پر ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد امیر محترم نے منہاجِ محمدی کانفرنسوں کے سلسلے کا پس منظر بیان کیا۔ آپ نے بین الاقوامی حالات اور نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے میں اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے برعظیم پاک و ہند میں احیائے اسلام کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مشیت الٰہی میں اس خطے کی خصوصی اہمیت اور اس ضمن میں قیام پاکستان کی تحریک کے دوران اسلام کے نام کو استعمال کئے جانے کا تذکرہ کیا۔ نیز قیام پاکستان کے بعد قرار داد مقاصد کے پاس ہونے اور ۱۹۵۰ء میں ۳۱ علماء کے ۲۲ متفقہ دستوری نکات کا بھی ذکر کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان تمام تر مثبت اقدامات کے باوجود پاکستان میں آج تک اسلامی نظام

کانفاذ نہ ہو سکنے کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ رہی کہ اکثر دینی و سیاسی جماعتوں نے نفاذ اسلام کی جدوجہد کے لئے منہاجِ محمدیؐ کی بجائے مروجہ سیاسی طریقے کو اپنائے رکھا۔ یعنی انتخابات میں حصہ لیا یا کسی ناپسندیدہ حکومت کو گرانے کے لئے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریکیں چلائیں۔ جبکہ آج بھی ہماری رہنمائی کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امام مالکؒ کے یہ زریں حکیمانہ اقوال موجود ہیں کہ "اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اُسی طریقے سے جس پر اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی"۔ تو کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم منہاجِ محمدیؐ کی طرف رجوع کریں؟ اس ضمن میں منہاجِ محمدیؐ کی جانب متوجہ کرنے اور اس پر اتفاق رائے کے حصول کے لئے ہم نے منہاجِ محمدیؐ کانفرنسوں کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور آج اس سلسلے کی پہلی کانفرنس ہے۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے باری باری معزز مقررین کو خطاب کی دعوت دی۔ سب سے پہلے جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے معروف لیڈر و مذہبی شخصیت مولانا محمد خان شیرانی صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مسائل کا حل بجا طور پر اسلامی نظام کا نفاذ قرار دیا، لیکن موضوع پر گفتگو سے اعراض کیا۔ جنرل (ر) حمید گل صاحب نے تو جماعت کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا بلکہ تمام افتراق و اختلاف کی وجہ ہی جماعت سازی کو ٹھہرایا۔ لشکر طیبہ کے عبدالستار بھٹی صاحب کی تقریر خطابت کا عمدہ نمونہ تھی۔ منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے انہوں نے حضور ﷺ کے طرز عمل میں ہجرتِ مدینہ کے بعد اردگرد کے قبائل سے معاہدوں کو ہی اصل اہمیت کی چیز قرار دیا اور اس طرح پاکستان میں نفاذ اسلام سے قبل اردگرد کے علاقوں پر اپنے کنٹرول کو ضروری قرار دیا۔ اور اس طرح لشکر طیبہ کی مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد کو جواز عطا کیا۔ تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان صاحب نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کے ایک واقعے کو اپنی جدوجہد کی بنیاد قرار دیا جس میں ایک بدو صحابی نے تلوار سونت کر کہا تھا کہ ہم تمہیں (عمرؓ کو) تلوار کی نوک سے درست کر دیں گے۔ اکرم اعوان صاحب نے فرمایا کہ ہمیں تو ایک ایسے ہی بدو کی ضرورت ہے۔ تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل صاحب نے ذاتی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔ بعد ازاں مولانا محمد چراغ اور پروفیسر محمد افضل صاحب (بریلوی مکتبہ فکر) نے خطاب فرمایا۔ کسی نے بھی منہاجِ محمدیؐ کو objectively بیان نہیں کیا۔ اس لحاظ سے تو یہ ایک ناکام اجتماع تھا، تاہم تمام مقررین کا آجانا اور حاضری (جو کہ ۷۰۰ کے لگ بھگ تھی) کے اعتبار سے یہ یقیناً ایک کامیاب اجتماع تھا۔

دوسری منہاجِ محمدیؐ کانفرنس۔ بمقام نشترہال پشاور

۲۸/ فروری (ساڑھے نو بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) مولانا صوفی محمد (۲) مولانا محبوب الرحمٰن (فضل الرحمٰن گروپ)

(۳) حکیم عبدالوحید (جماعت اسلامی) (۴) مولانا عبدالسلام (اہلحدیث) (۵) مولانا گوہر الرحمٰن (۶) مولانا سمیع الحق۔

تلاوتِ قرآن حکیم کے بعد ابتداء میں امیر محترم نے منہاجِ محمدی کانفرنسوں کی غرض وغایت اور موضوع کی وضاحت فرمائی اور پھر مقررین کو خطاب کی دعوت دی۔ سب سے پہلے صوفی محمد صاحب، جو مالاکنڈ میں تحریک نفاذ شریعت کے حوالے سے خاصے معروف ہیں، تشریف لائے۔ موصوف کا خطاب پشتو زبان میں تھا۔ انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے اپنی تحریک کا طریق کار بیان کیا اور اسی کو منہاجِ محمدی قرار دیا۔ دوسرے نمبر پر جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے مولانا محبوب الرحمٰن تشریف لائے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی جدوجہد کے کچھ نکات بیان کئے، خصوصاً ہجرت کے بعد کے مراحل پر روشنی ڈالی اور ساتھ ہی جمعیت علمائے اسلام کے انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی وکالت بھی کی۔ بعد ازاں جماعت اسلامی کے حکیم عبدالوحید صاحب آئے۔ انہوں نے جماعت کے دستور سے جماعت اسلامی کے طریق کار کو پڑھنا شروع کر دیا اور منہاجِ محمدی پر سرے سے کوئی بات ہی نہ کی۔ مولانا عبدالسلام کا تعلق مسلک اہلحدیث سے تھا۔ آپ نے مختلف جماعتوں کے اکابرین پر تنقید کی اور انہیں تلقین کی کہ وہ اکٹھے بیٹھ کر اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا گوہر الرحمٰن نے پاکستان میں اسلام کے نہ آنے کے اسباب بیان کئے۔ منہاجِ محمدی بیان کرتے ہوئے آپ نے حضور ﷺ کی جدوجہد کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ دعوت، تعلیم و تنظیم کے مراحل کو بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضورؐ نے پھر اس جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا۔ مولانا گوہر الرحمٰن نے آج کے حالات میں ان مراحل کو طے کرنے کے بعد تبدیلی نظام کے لئے انتخابی طریق کار ہی کی حمایت کی، تاہم دوسرے کسی طریق کار کی نفی بھی نہیں فرمائی۔ آخری مقرر مولانا سمیع الحق تھے، ان کی تقریر مایوسی اور بددلی کا مرقع تھی۔ آپ نے اتحاد کو ضروری تو قرار دیا تاہم سوال اٹھایا کہ یہ اتحاد وجود میں کیسے آئے؟ اتحاد کے ذریعے مقصد کا حصول کیسے ہو؟ سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ میں اس ضمن میں مایوس ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب باہمت ہیں کہ ان حالات میں بھی پُرامید ہیں۔ انہوں نے گزشتہ اتحادوں کی ناکامی کی جانب بھی اشارہ کیا۔ ڈیڑھ بجے یہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ شرکاء کی تعداد قریباً ۷۵۰ تھی۔

تیسری منہاجِ محمدی کانفرنس۔ بمقام حمید پیلس فیصل آباد

۷/مارچ (سوا نو بجے صبح تا سوا ایک بجے دوپہر)

مقررین حضرات: (۱) غیاث الدین جانباز (الاخوان) (۲) مولانا ارشاد الحق اثری (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) (۳) صاحبزدہ طارق محمود (عالمی مجلس ختم نبوت) (۴) طارق چوہدری (الاخوان)

(۵) مولانا زاہد الراشدی (۶) حاجی محمد رشید قادری (تحریک منہاج القرآن) (۷) قاری محمد اصغر (جماعت اسلامی) (۸) مولانا مجاہد الحسینی۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ میں امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے کانفرنسوں کے اس سلسلے کی غرض وغایت اور پس منظر سے سامعین کو آگاہ کیا۔ سب سے پہلے الاخوان تنظیم سے تعلق رکھنے والے بزرگ رہنما جناب غیاث الدین جانباز کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ موصوف خاصے جوشیلے مقرر ہیں اگرچہ اب ضعیف العمری کے باعث وہ دم خم باقی نہیں رہا۔ انہوں نے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کی کوششوں کو سراہا اور تعاون کا یقین دلایا' تاہم منہاج محمدیؐ کے حوالے سے گفتگو نہیں کی۔ دوسرے مقرر مولانا ارشاد الحق اثری تھے' موصوف مسجد مبارک کے خطیب اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہیں۔ آپ نے منہاجِ محمدیؐ کو ایمان کی دعوت سے تعبیر کیا اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں میں ایمان آجائے گا تو لوگ دین پر عمل کرنا شروع کردیں گے اور اس طرح سے دین قائم ہو جائے گا۔ ان کی تقریر کے بعد صاحبزادہ طارق محمود صاحب' جو عالمی مجلس ختم نبوت کے ممبر ہیں' نے پاکستان میں اسلام نہ آنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مختلف مواقع پر بننے والے اتحادوں کی ناکامیاں بیان کیں۔ اس کے بعد الاخوان تنظیم کے اہم رکن سابق سینیٹر طارق چوہدری صاحب تقریر کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے منہاجِ محمدی پر گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے دیگر اہم نکات کی جانب توجہ دلائی۔ طارق چوہدری صاحب نے فرمایا کہ کسی مشترکہ لائحہ عمل تک پہنچنے کے لئے اس قسم کی کانفرنسیں مفید نہیں۔ اس کی بجائے مختلف اکابرین کو جمع کر کے اس پر بحث مباحثہ کرنا چاہئے تاکہ کسی ایک نقطہ نظر تک پہنچا جاسکے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اجتماعی قیادت اقتدار میں تو چل سکتی ہے لیکن انقلاب برپا کرنے کے لئے لوگوں کو کسی ایک شخصیت پر جمع کرنا ہوگا' اس ضمن میں اتحاد کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتے۔ انقلاب کے لئے ہمیں ایک خاص تعداد میں لوگوں کو جمع کرنا ہوگا۔

زاہد الراشدی صاحب اس کانفرنس میں شرکت کے لئے گوجرانوالہ سے تشریف لائے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ منہج انقلاب نبویؐ کے مختلف پہلو ہیں' میں آج کی محفل میں صرف ایک نقطے پر گفتگو کروں گا اور وہ یہ کہ حضور ﷺ نے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے دوران اُس وقت موجود سسٹم سے کسی قسم کی مفاہمت نہیں کی۔ لہٰذا اگر ہمیں بھی اسی منہج پر کام کرنا ہے تو موجود قومی وبین الاقوامی سسٹم کے ساتھ ہماری adjustment نہیں ہوسکتی۔ موجودہ سسٹم کے کھنڈرات پر ہمیں اسلامی نظام کی عمارت تعمیر کرنا ہے۔ آپ نے لندن میں منعقدہ ایک بین الاقوامی کانفرنس کا حوالہ دیا جس میں موضوع بحث یہ تھا کہ آج کے دور میں کونسا ایسا اسلامی ملک ہے جس میں اسلام کے سیاسی' سماجی اور معاشی نظام کے تمام وکمال نفاذ کے سب سے زیادہ امکانات ہیں۔ زاہد الراشدی صاحب نے فرمایا کہ قریباً تمام ہی اسلامی دانشوروں کا جو مختلف ممالک سے آئے تھے' کا اس بات پر اتفاق تھا کہ صرف ایک ملک ایسا ہے جہاں

اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کے سب سے زیادہ امکانات ہیں اور وہ "پاکستان" ہے۔ حاجی محمد رشید قادری صاحب کا تعلق تحریک منہاج القرآن سے تھا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں زیادہ تر تحریک منہاج القرآن کے طریق کار کو واضح کیا۔ جماعت اسلامی کے قاری محمد اصغر صاحب نے فرمایا کہ جماعت اسلامی نے تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی جماعتیں ہمارا ساتھ دیتی ہیں۔ بقول ان کے جماعت اسلامی نے تو طبل جنگ بجا دیا ہے' اب تو ہم حالت جنگ میں ہیں اور یہ جاری رہے گی جب تک ہمیں اقتدار حاصل نہیں ہو جاتا۔ آخر میں مولانا مجاہد الحسینی صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات کو اتحاد کی بنیاد بنایا جائے۔ آخر میں امیر محترم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ یہ کانفرنسیں اس لحاظ سے کامیاب رہی ہیں کہ مختلف الخیال لوگوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا اور کوئی تلخی یا ہنگامہ نہیں ہوا۔ لوگوں نے بڑے سکون سے تمام مقررین کے خیالات کو سنا' تاہم منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے بہت کم گفتگو ہوئی اور یہ موضوع تشنہ بیان رہا۔ سامعین کی تعداد ۴۵۰ کے قریب تھی۔

چوتھی منہاجِ محمدی کانفرنس۔ بمقام آئی بی اے ہال کراچی

۱۴/ مارچ (۱۰ بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات: (۱) پروفیسر غفور احمد (۲) مفتی نظام الدین سامزئی (۳) غلام دستگیر ربانی (منہاج القرآن) (۴) ڈاکٹر اطہر قریشی (تحریک اسلامی) (۵) افضال مبین (مؤتمر اسلامی) (۶) علامہ حسن ترابی (تحریک جعفریہ) (۷) قاری شیر افضل (جمعیت علمائے اسلام) (۸) محمد اکرم اعوان۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ ابتداء میں امیر محترم نے کانفرنس کا پس منظر اور غرض وغایت نیز ماضی قریب کی تاریخ کے حوالے سے قیام پاکستان کا اصل مقصد اور مشیت الٰہی میں اس کے رول پر گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت بین الاقوامی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ کم از کم کسی ایک اسلامی ملک میں اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ہو' صرف اسی کے نتیجے میں یہود کے قائم کردہ عالمی مالیاتی استعمار کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور آج کے دور میں اسلام کے اس عادلانہ نظام کے قیام کا امکان اگر ہے تو صرف پاکستان میں ہے۔ تمہیدی گفتگو کے بعد آپ نے مقررین کو دعوت خطاب دی۔ سب سے پہلے جماعت اسلامی کے معروف رہنما اور نائب امیر پروفیسر غفور احمد تشریف لائے۔ آپ نے اپنے مختصر بیان میں الیکشن کی سیاست کو ہی مسائل کا حل قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسلامی نظام کے قیام کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے' اگر کوئی ہے تو بتایا جائے۔ آپ نے موضوع سے ہٹ کر مسئلہ کشمیر کے حل کے حوالے سے امیر محترم کے تجزیے سے اختلاف کیا۔ پروفیسر غفور احمد صاحب نے اتحادوں کی سیاست کی ناکامی کا ذکر بھی کیا۔ دوسرے مقرر مدرسہ بنوری ٹاؤن سے مفتی نظام الدین

شامزئی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اتفاق و اتحاد کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ اتحاد کا رسمی اعلان کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ رسمی اتحاد کے بغیر مشترکہ نکات پر جمع ہوا جائے۔ آپ نے دوسری صورت کو احسن قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بڑی بڑی شخصیات اتحاد و اتفاق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیں منافقت کے خلاف مسلح جہاد کرنا ہوگا۔ بغیر اسلحہ ہاتھ میں لئے ہم کوئی اصلاح نہیں کر سکتے۔ تحریک منہاج القرآن سندھ کے صدر غلام دستگیر ربانی صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں میں عمل کم ہوتا ہے اور رد عمل زیادہ' لہٰذا جتنی زیادہ خرابی آئے گی اتنے ہی مسلمان اسلام کی جانب زیادہ راغب ہوں گے اور خرابی جب اپنی انتہا کو پہنچے گی تو انقلاب آجائے گا۔ تاہم یہ کام کسی ایک امیر کی موجودگی میں ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اطہر قریشی صاحب' جن کا تعلق تحریک اسلامی سے ہے' نے فرمایا کہ اتحاد جب بننے کے بعد ناکام ہوتے ہیں تو انتہائی مایوسی پھیلتی ہے' اس لئے اس کے بارے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اطہر قریشی صاحب نے فرمایا کہ نظام کی تبدیلی اور حالات کی بہتری کے لئے سوائے انتخابات کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمارے حالات ایران سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ہمیں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انقلاب ایران کا حوالہ نہیں دینا چاہئے۔ مؤتمر عالم اسلامی کے افضال مبین صاحب نے مقالہ پیش کیا جس کا منہاجِ محمدی کے حوالے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تحریک جعفریہ کے علامہ حسن ترابی نے فرمایا کہ اسلام میں پبلک لاء اور پرسنل لاء کی تقسیم نہیں ہے۔ اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کی ضمانت دی جائے تو شیعہ ہر قربانی کے لئے تیار ہوں گے۔ موضوع کے حوالے سے موصوف نے کوئی گفتگو نہ کی۔ جمعیت علماء اسلام کے قاری شیر افضل صاحب نے فرمایا کہ جب ہم کتاب و سنت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں کسی فقہ کی بات نہیں کرنا چاہئے۔ انقلاب کے لئے طاقت کے حصول کی خاطر عوام کے اندر شعور بیدار کرنا ہوگا۔ انتخابات ہمارے مسائل کا حل نہیں بلکہ نظام صرف انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی تبدیل ہو سکتا ہے۔ آخری مقرر تنظیم الاخوان کے امیر محمد اکرم اعوان صاحب نے فرمایا کہ اب تقریروں اور سیمینارز کی نہیں اقدام کی ضرورت ہے۔ آپ نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو گن کر دو لاکھ آدمی دینے کے لئے تیار ہوں آپ پیش قدمی کریں۔ علماء اگر اقدام کرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے تو قیادت جاہلوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔

کانفرنس کے اختتام پر امیر تنظیم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ انقلاب کے لئے ایسے دو لاکھ افراد درکار ہوں گے جو اپنی معاش اور معاشرت پر اسلام نافذ کر چکے ہوں۔ کچے پکے اور بے عمل مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانی کے نتیجے میں اسلامی انقلاب تو نہیں آسکتا' البتہ فساد یا زیادہ سے زیادہ کسی اور قسم کی تبدیلی ضرور آسکتی ہے۔ دعائے خیر پر یہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ آئی بی اے ہال اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق حاضرین کی تعداد قریباً ۶۵۰ تھی۔ ۸۰ کے قریب خواتین اس کے علاوہ تھیں۔

پانچویں منہاج محمدی کانفرنس۔ بمقام قرآن آڈیٹوریم لاہور

۲۱/ مارچ (نو بجے صبح تا ڈیڑھ بجے بعد دوپہر)

مقررین حضرات : (۱) پروفیسر حفیظ الرحمٰن (تحریک اسلامی) (۲) سید عتیق الرحمٰن گیلانی (۳) صاحبزادہ خورشید گیلانی (۴) ضیاءاللہ بخاری (مرکزی جمعیت اہلحدیث) (۵) مولانا محمد امجد خان (۶) انجینئر سلیم اللہ خان (جمعیت علمائے پاکستان) (۷) علامہ ڈاکٹر طاہر القادری۔

تلاوت قرآن حکیم کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ابتدائی کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ نے سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ میں وارد شدہ الفاظ ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں مبعوث رسولوں کی شریعتوں میں فرق تھا ایسے ہی ان کے طریق کار میں بھی فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ کا منہاج اور تھا اور حضرت عیسیٰ کا اور' اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے منہاج میں بھی فرق رہا۔ اس حوالے سے ہمیں منہاجِ محمدیؐ کا معروضی طور پر جائزہ لے کر اسے معین کرنا چاہئے' اس لئے کہ ہمارے لئے حجت منہاجِ محمدیؐ ہی ہے اور اس لئے بھی کہ صرف حضورؐ کا برپا کردہ انقلاب ہی ہمہ گیر بھی تھا اور مکمل بھی۔ منہاجِ محمدی متعین ہو جانے کے بعد پھر اس پر غور کرنا ہو گا کہ آیا اُس وقت کے اور آج کے حالات میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کس مرحلے پر کیا تبدیلی کرنا ہو گی۔ اپنے ابتدائی خطاب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے منہج انقلاب نبویؐ کے تمام مراحل بیان فرمائے اور دیگر مقررین کو دعوت دی کہ وہ اپنی گفتگو کو اسی موضوع پر مرکوز رکھیں۔

سب سے پہلے تحریک اسلامی کے نائب امیر جناب پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن نے اپنی تحریر پڑھ کر سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ آج کوئی بھی جماعت ایسی نہیں جو منہج انقلاب نبویؐ کے جملہ تقاضوں پر پورا اترتی ہو۔ ہمیں خوب سوچ سمجھ کر اپنی راہیں متعین کرنا چاہئیں اور انقلاب کے جملہ پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے محنت اور کوشش کرنی چاہئے۔ پروفیسر صاحب نے انتخابی سیاست کے حوالے سے بھی اپنے تحفظات کا اظہار فرمایا اور اس میدان کو خالی نہ چھوڑنے کا خیال ظاہر کیا۔ جناب سید عتیق الرحمٰن گیلانی نے فرمایا کہ نہی عن المنکر کے حوالے سے حضورؐ کے اتباع کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں ہمیں کسی کمی یا کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ آپ نے منہاجِ محمدیؐ کے حوالے سے زیادہ گفتگو نہیں کی۔ ان کے بعد صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ شعورِ عصریہ ہے کہ تبدیلی مروجہ طریقے سے ہو گی یا اسی طریقے سے جو حضورؐ نے اختیار فرمایا۔ میرے خیال میں اصل منہاجِ محمدیؐ یہ ہے کہ جیسے بھی ہو سکے موجودہ ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ نیز اس نظام کا جزو بن کر ہم نظام تبدیل نہیں کر سکتے۔ جو حضرات اس نظام کا جزو بن کر نظام کی تبدیلی کا خواب دیکھتے ہیں ان کی سادہ لوحی پر

سوائے حسرت کے اظہار کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث لکھوی گروپ کے ناظم اعلیٰ سید ضیاء اللہ بخاری نے اپنی جماعت کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا' تاہم انہوں نے منہاجِ محمدی پر گفتگو نہیں فرمائی۔ اسی طرح مولانا امجد خان صاحب نے بھی موضوع پر نہ کی۔ انجینئر سلیم اللہ خان نے فرمایا کہ کسی نئے اتحاد کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ جو مختلف دینی جماعتیں تحریک تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر اکٹھی ہیں اسلام کے نفاذ کے لئے اسی پلیٹ فارم کو استعمال کرنا چاہئے۔ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اب ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ نواز شریف حکومت منافق ہے' اب اس حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ منہاجِ محمدی کے تعین کے لئے اس قسم کا اجتماع ہرگز مناسب نہیں۔ آپ نے کہا کہ میں اس موضوع پر پوری طرح تیار ہو کر آیا ہوں' میرے پاس مفصل نوٹس موجود ہیں لیکن یہ فورم اس قسم کی گفتگو کے لئے موزوں نہیں۔ تاہم انہوں نے مختصراً منہاجِ محمدی بیان کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسلامی نظام کا نفاذ بغیر اقتدار کے ممکن نہیں اور منہاجِ محمدی بھی یہی ہے کہ پہلے اقتدار حاصل کیا جائے۔

کانفرنس کے آخر میں میزبان کانفرنس امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے فرمایا کہ اگرچہ اکثر مقررین حضرات نے منہاجِ محمدی کو واضح طور پر بیان نہیں کیا تاہم ان کانفرنسوں کے نتیجے میں انہیں (جماعتوں اور تنظیموں کو) اپنے طریق کار کو منہاج محمدیؐ سے مستنبط ثابت کرنا پڑے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی ان کانفرنسوں کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دعائے خیر پر یہ پانچویں منہاجِ محمدیؐ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

بقیہ : ایمان واستقامت

پاتی۔ قسم ہے اللہ کی یہ دین (اسلام) کامل ہو گا اور اس درجہ ترقی کرے گا کہ ایک سوار صنعاء (واقع یمن) سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے گا اور (بکریوں والا) سوائے بھیڑیئے کے اپنی بکریوں کے متعلق کسی سے خوفزدہ نہ ہو گا۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو (یعنی ابھی تمہیں مزید صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

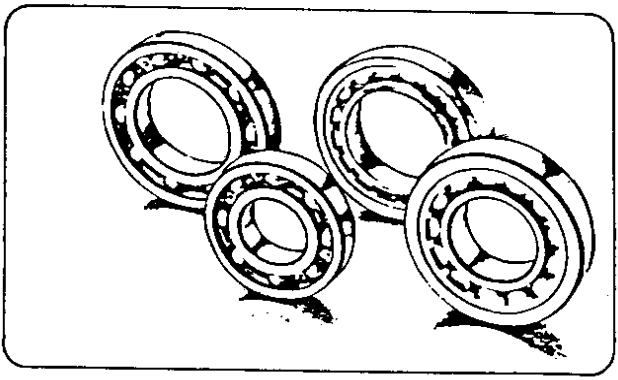

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road. Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 4
April 1999

صُوفی سن فلاور کوکنگ آئل
سُورج مُکھی کے اعلیٰ بیجوں سے تیار کردہ

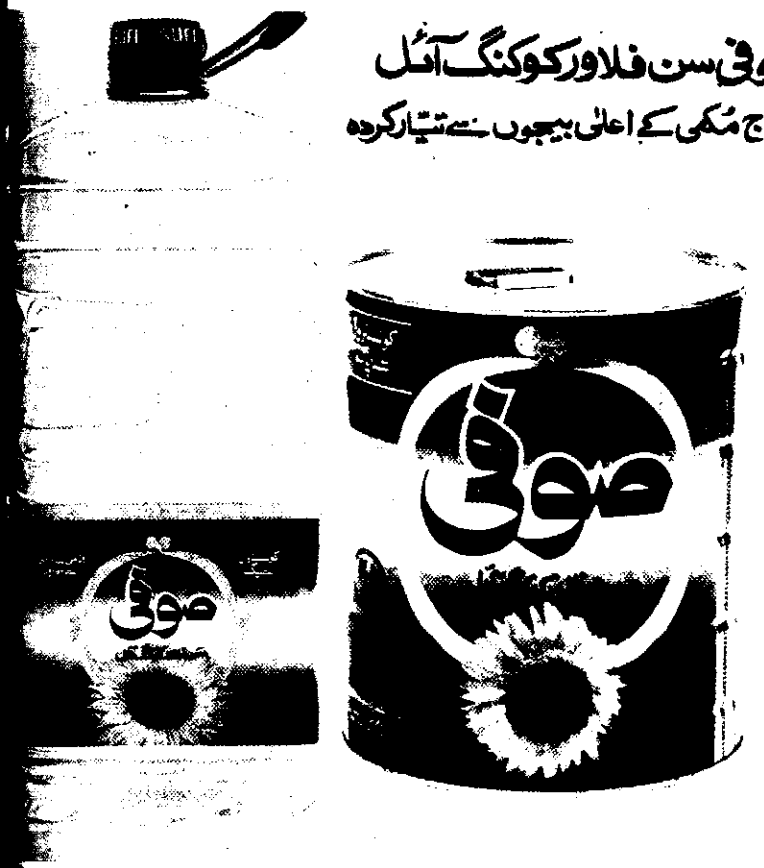

SUFI

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
حمزہ ویجیٹیبل آئل ریفائنری اینڈ گھی ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Head Office: 39-Fleming Road, Lahore, Pakistan.
Tel: 7225447-7221068-7244951-3
Fax: 92-42-7239909 & 92-42-7311583